گیارہویں جماعت (اُردو لازمی) (نوٹس)

(تمام گروپ کے لیے)

معروضی (MCQS) سوالات وجوابات

جوابات	سوالات	نمبر شمار
مذہب	حبل المتین سے کیا مراد ہے۔	01
جزو	ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ہے۔	02
نااتفاقی نے	سرسید کی نظر میں ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔	03
توحید	العروۃ الوثقی سے مراد ہے۔	04
جدا	زبان کے ہر پھول کا رنگ ہے۔	05
قدرت الٰہی کا	اے زبان تیری طاقت نمونہ ہے۔	06
غیبی	قلم ایک خزانہ ہے۔	07
راستی	زبان کا جوہر ہے۔	08
سچّے	ہم جب تک دنیا میں رہیں گے کہلائیں۔	09
دلیؔ	ہندوستان کا دل کہلاتی ہے۔	10
مرزا سلیم بہادر	ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے۔	11
کھیل کود	لہو لعب کا مطلب ہے۔	12
محاورہ	رنگ متغیر ہونا ہے۔	13
پانچ روپے	انگریزی سرکار نے ماہوار پینشن مقرر کر دی۔	14
ہیروڈوٹس	بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے۔	15
پیٹرول سے	دنیا کی تیز ترین مشین چلتی ہیں۔	16
سادہ	کیمیاوی نقطہ نگاہ سے پیٹرولیم چیز ہے۔	17
گیس	جہاں تیل ہوتا ہے وہاں ضروری نہیں کہ ہوتی ہو۔	18
فارسی وعربی	ہماری علمی زبان تھی۔	19
قومی زبان کی ترقی	قومی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔	20
زبان	خیالات اور افکار کے اظہار کا ذریعہ ہے۔	21
فارسی کے	اردو نے پروں پر پرواز کی۔	22
یگانگت	اردو اور فارسی میں ہے۔	23
زبانوں پر	مترجم کو عبور ہونا چاہیے۔	24

Prof.Mukhtar Ahmed

25	شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے۔	شیخ ایاز نے
26	جرمن ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔	این میری شمل کا
27	معیاری ترجمہ کرنے کے لیے واقفیت ضروری ہے۔	زبان اور ادبیات پر
28	شاہ محمد زمان نوارمی کے ادبیات کا اردو ترجمہ کیا ہے۔	نیاز ہمایونی نے
29	چندر پرکاش کو دینے کے لیے مکان دیا۔	ٹھاکر صاحب نے
30	ٹھاکر صاحب کے بیٹے کا نام تھا۔	ویر اندر
31	زیورات کی مالیت تھی۔	پانچ ہزار
32	پرکاش سے بنک والے ضمانت مانگ رہے تھے۔	دس ہزار کی
33	زبان پکڑنا ہے۔	محاورہ
34	بابا نور دس سال سے جاتا تھا۔	ڈاک خانے
35	سفید کھدر کا رومال تھا بابا نور کے۔	کندھے پر
36	لڑکی نے بابا نور کے لیے کٹورا بھرا۔	لسّی کا
37	لڑکی گندم کے کھیت سے کاٹ رہی تھی۔	گھاس
38	"بابا نور" احمد ندیم قاسمی کا تحریر کردہ ہے۔	افسانہ
39	انسان کے ہاتھ میں ہے۔	تدبیر
40	آب حیات پینے سے مل جاتی ہے۔	ابدی حیات
41	شہزادے میدان کے نام سے منسوب کیا گیا۔	دریا
42	شہزادے نے ہمیشہ کی زندگی پائی۔	لوگوں کی خدمت کرنا
43	انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے۔	آنکھ
44	رستم سہراب کا تھا۔	باپ
45	سہراب رستم سے بار بار پوچھ رہا تھا۔	اس کا نام
46	رستم نے اللہ سے دعا میں اپنے لیے مانگا تھا۔	غلبہ
47	رستم اور سہراب کا تعلق ہے۔	ایران سے
48	ہر نیا دن انسان کے لیے لے کر آتا ہے۔	نیا انقلاب
49	میاں نے بلّی کو ٹھکانے لگانے کے لیے انعام مقرر کیا۔	اٹھنّی
50	میاں کو گھر کے لیے ضرورت تھی۔	باورچی کی
51	میاں نے بلّی کو بند کر دیا تھا۔	کوئلوں کی کوٹھری میں
52	میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے دیے۔	دس روپے

Prof.Mukhtar Ahmed

کالی سیاہ	بلّی تو ہو رہی تھی۔	53
جن نے	حضرت سلیمان ا کو غلط اطلاعات فراہم کیں۔	54
پانی	ہُدہُد کو زمین سے تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل تھی۔	55
گھوڑے کے	حضرت سلیمان علیہ السلام نے پر کاٹنے کا حکم دیا۔	56
شیشے کا	حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرش بنوایا۔	57
گھوڑوں کو	جن سمندر سے نکال لایا۔	58
خواہ مخواہ سے	لڑائی ہمیشہ شروع ہوتی ہے۔	59
محاورہ	"آپے سے باہر ہونا" ہے۔	60
مرکبِ عطفی	طنز کا مقصد ہونا چاہیے۔	61
گئیر	اونٹ میں نہیں ہوتے۔	62
خرگوش	بچوں کو تعلیم دینے کے واسطے استاد لے کر آیا۔	63
۲۴۰ آدمی	اگر ایک دن میں ایک کمرہ دس آدمی بنا سکتے ہیں۔ تو وہی کمرہ ایک گھنٹے میں بنا سکتے ہیں۔	64
سرٹیفیکٹ	کمشنر نے لکھ دیا۔	65
فلاسفر نے	کُتب فروش کو خط لکھا تھا۔	66
طبّی	ایک انار وصد بیمار میں حالات بیان کیے گئے ہیں۔	67
مزاحیہ مضمون	ایک انار وصد بیمار ہے۔	68
اصلاح دے کر	مجتہد العصر کے مسوّدے کو بھیج دیا۔	69
سلام	تم میرے ہم عمر نہیں جو لکھوں۔	70
خط	سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح بھیجتے رہو۔	71
مسوّدے کو	بار بار دیکھا کرو۔	72
خفا نہ ہو	قصور معاف کرو۔	73
آزاد	مولوی گرامی صاحب بھی آلام وافکار کے سلسلے میں ہیں۔	74
درد گردہ کے	آم اس مرض کے لیے اچھا ہے۔	75
مولانا اکبر نے	گزشتہ سال مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا۔	76
مثنوی	رموزِ بے خودی ہے۔	77
ملّت اسلامیہ کا فلسفہ	یہ فلسفہ اس صورت میں اس پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔	78
۱۹۹۶ء میں	مسعود احمد کی لائبریری دیکھی۔	79
اپریل میں	ہاشمی صاحب نے فون کیا۔	80

Prof.Mukhtar Ahmed

81	جھنڈیر نام ہے۔	قبیلے کا
82	دار المصنفین ہے۔	اعظم گڑھ
83	میاں مسعود کی لائبریری میں مخطوطات موجود تھے۔	پانچ ہزار
84	گلبانگ ہزار سے شاعر کی مراد ہے۔	بلبل کا نغمہ
85	آیات الٰہی کیا ہے۔	قرآن پاک کی آیات کو
86	شعر میں "نکہت ہو کہ رنگ" سے مراد ہے۔	مختلف پھول
87	گرمی، سردی، سایہ اور دھوپ علامت ہیں۔	موسموں کی
88	وجدان سے شاعر کی مراد ہے۔	آگہی و شعور
89	اس نعت میں جلوہ گاہوں کا ایک سلسلہ سے مراد ہے۔	مدینہ منورہ
90	یہ نعت شاعری کی اس ہیئت میں لکھی گئی ہے۔	غزل
91	شاعر نے دُعا میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی ہے۔	نبی کریم ﷺ کی چوکھٹ کی
92	شاعر نے اپنا پتا بتایا ہے۔	بالِ جبرئیل
93	طیبہ نام ہے۔	مدینہ منورہ کا
94	لفظ "صاحب مقدور" کے معنی ہیں۔	قدرت والا
95	اس نظم کے پہلے بند کی ردیف ہے۔	رہے گا
96	اس جوڑے میں صنعت تضاد پائی جاتی ہے۔	چاند سورج
97	لفظ "ارزق" کا درست تلفظ ہے۔	اَزرَق
98	اس نظم میں لفظ "دام" کے معنی ہیں	جال
99	دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ۔۔۔۔ ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ"۔ اس شعر میں یہ صنعت ہے:	حسنِ تعلیل
100	نظم داستان تیاری میں باغ کی ہیئت کے لحاظ سے ہے۔	مثنوی
101	شعر دیے چار سو آئینے جا لگا۔۔۔۔ گیا چوگنا لطف اُس میں سما" میں صنعت ہے۔	تکرار
102	لفظ "لخلخے کے معنی ہے۔	اگر بتیاں
103	نرگس، یاسمین، موگرا اور جعفری ہیں	پھولوں کے نام
104	لفظ مہر و وفا میں مہر سے مراد ہے۔	خاتون کا نام
105	اے ماؤں! بہنو! بیٹو! میں یہ رموز وقف استعمال ہوئی ہے۔	ندائیہ
106	نظم میں "حلاوت" اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔	مٹھاس
107	عسرت میں عشرت سے مراد ہے۔	غریبی میں خوش رہنا

Prof.Mukhtar Ahmed

108	اس نظم کی ہیئت ہے۔	غزل
109	بندۂ خاکی سے اقبال کی مراد ہے۔	خدا کا فرمابردار انسان
110	بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم میں "کارگہ فکر" سے مراد ہے۔	مقدر
111	اس نظم میں ان دو شہروں کا ذکر کیا گیا ہے۔	بخارا۔ بدخشاں
112	"گھاٹ پر اترنا" کے معنی ہیں۔	ساحل پر پہنچنا
113	بہ جابہ جا کہ اندھیرا ہے شاہراہوں میں اس مصرعے میں مناسب رمز وقت آئے گی۔	ندائیہ
114	اوصاف بلند خوانی میں یہ وصف بھی شامل ہے۔	ترنم
115	لفظ "علم" کی جمع ہے۔	اَعلام
116	"تیز گام" سے شاعر کی مراد ہے۔	تیز قدم والے
117	انیس کی رباعی میں "یک رنگ" سے مراد ہے۔	خلوص والے
118	لفظ "مسب" کا درست تلفظ ہے۔	مسَبَبْ
119	جوش کی رباعی میں "عرفان حیات" کا مطلب ہے۔	زندگی کی حقیقت کو سمجھنا
120	میر انیس کی رباعی میں تعلیم دی جاتی ہے۔	لوگوں کی خوبیاں دیکھنی چاہیے
121	صادق دہلوی کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے۔	حُبِ وطن کی
122	قطعے میں اشعار ہوتے ہیں۔	چار
123	ہئیت کے لحاظ سے قطعے میں لازمی ہے۔	قافیہ
124	"مہ وپروین" سے مراد ہے۔	چاند اور سورج
125	اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کو تعلیم دی ہے۔	علم حاصل کرنے کی
126	رئیس امروہوی کے قطعے میں لفظ "مہک" سے مراد ہے۔	خوش بو
127	لفظ "تبخیر" سے مراد ہے۔	بخار آجانا
128	"یرقان" کسے کہتے ہیں۔	پیلیا یعنی جگر کی بیماری کو
129	"زود اثر" کا مطلب ہے۔	فوری طور پر اثر کرنے والی
130	معمولی سا نسیان بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں "نسیان" ہے	بھولنے کا مرض
131	دیدہ کوئی حیران میں "دیدہ" سے مراد ہے۔	آنکھ
132	میرے دہقان پسینوں کے ڈھالے ہوئے سے مراد ہے۔	دہقان شدید محنتی ہے۔
133	میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا سے مراد ہے۔	میرے وطن پر قرآن کی برکات ہیں۔
134	میرے فوجی جواں جراتوں کے نشان سے کیا مراد ہے۔	میرے فوجی جوان جرات کی علامت ہیں

Prof.Mukhtar Ahmed

135	میری مٹی کو سونا بناتے رہیں سے مراد ہے۔	میرے وطن کے کسان زمین پر فصلیں اُگا کر ملک کو مالا مال کرکے رہیں
136	لفظ "خیبر شکن" میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ میرا ہر سپاہی۔	اسلام کے مخالفین کو شکست دینے والا ہے
137	لفظ "لوح و قلم" سے مراد ہے۔	اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر انسانوں کی قسمتیں لکھی ہیں اور جن چیزوں پر لکھی ہیں۔
138	شیخ و برہمن سے مراد ہے۔	مسلم اور غیر مسلم
139	غزل میں "مسند عزت" کا مفہوم ہے۔	اعلیٰ درجہ
140	لفظ "قاصد" کا مطلب ہے۔	پیغام لے جانے والا
141	اس غزل میں "آنکھ کھلی تھی" سے مراد ہے۔	ہوش میں آنا
142	"شکستوں" سے مراد ہے۔	ٹوٹ پھوٹ جانا
143	"فکر پریشان" کا مطلب ہے.	دوست کی جدائی میں بے چین خیال
144	"پہنچا جو آپ کو" اس محاورے کے معنی ہیں۔	اپنے آپ کو پہچان گیا
145	"رشک حور" کا مفہوم ہے۔	حور جس پر رشک کرے
146	لفظ "استخوان" کا مطلب ہے۔	ڈھانچہ
147	لفظ "مہمیز" کے معنی ہیں۔	گھوڑے کی رکاب
148	"خانہ صیاد" کہتے ہیں۔	قید خانے کو
149	طبل و علم پاس ہونے سے مراد ہے۔	جنگ کے لیے تیار ہونا
150	آتش کی پہلی غزل کی ردیف ہے۔	کیا
151	آتش کی دوسری غزل کی ردیف ہے۔	نہیں معلوم
152	سنگ و خشت کے معنی ہیں۔	اینٹ پتھر
153	لفظ "دیر" کے معنی ہیں۔	غیر اسلامی عبادت گاہ
154	میر نیم روز کا مطلب ہے۔	ٹھیک آدھے گھنٹے کا سورج
155	غالب کی غزل میں لفظ "خستہ" سے مراد ہے۔	ٹوٹا ہوا
156	"محاورہ منھ میں زبان رکھنا" مراد ہے۔	بات کرنے کی جرأت کرنا
157	الفاظ آغاز اور انجام میں صنعت ہے۔	تضاد
158	الفاظ عیش، خوشی میں صنعت ہے۔	رعایت لفظی
159	الفاظ اتنی ہی اور بسا غنیمت میں صنعت ہے۔	رعایت لفظی
160	الفاظ بیکسی اور تباہ میں صنعت ہے۔	استعارہ

Prof.Mukhtar Ahmed

161	اس غزل میں لفظ "دم" کے معنی ہیں	سانس
162	لفظ "سر اٹھاتا" ہے۔	محاورہ
163	ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق اس مصرعے میں صنعت ہے۔	صنعتِ تضاد
164	حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی یہ مصرع ہے۔	مقطع کا
165	اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم اس مصرعے میں رمز وقف ہے۔	ندائیہ
166	اس غزل کے مقطعے میں لفظ "اور" سے مراد ہے۔	اس کے علاوہ
167	صرصر ایک ہوا ہے جو چلتی ہے۔	صحراؤں میں
168	لفظ بہار اور چمن ایک دوسرے کے ہیں۔	رعایت لفظی
169	تکلف، اخلاص، دوست ان لفظوں کے لیے یہ صنعت ہوتی ہے۔	رعایت لفظی
170	منیر نیازی کی غزل میں قافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔	کر
171	منیر نیازی کی غزل کے مطلع میں لفظ استعمال ہوا ہے۔	ذکر
172	رات کٹ جانا، سکوت، شورزنجیر، دیوار، درزندان ان لفظوں میں صنعت پائی جاتی ہے.	مراعات النظیر
173	عشرت زیست سے مراد ہے۔	عیش والی حیات
174	شاعر نے غزل میں تعریف کی ہے۔	ظلمت ونور سے
175	غزل کے آخر میں ہوتا ہے۔	مقطع
176	کٹ جائے گی۔	رات
177	اوّل نام ہے۔	اللہ کا
178	بھٹکے ہوئے کو دکھاتا ہے۔	سیدھا راستہ
179	بے کسی کرتی ہے۔	بے بس
180	"پیامِ لطیف" پیغام ہے۔	حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا
181	شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کا انداز ہے۔	اصلاحی
182	"قومی اتفاق" مضمون لکھا ہے۔	سرسید احمد خان نے
183	سرسید احمد خان دہلی میں پیدا ہوئے۔	۱۸۱۷ء پیدائش۔۔۔۔۱۸۹۸ء وفات
184	مولانا الطاف حسین حالی نے مضمون لکھا۔	"زبانِ گویا"
185	خواجہ حسن نظامی کا اصل نام تھا۔	سید علی حسن
186	خواجہ حسن نظامی نے "فاقے کا روزہ"	مضمون لکھا
187	خواجہ حسن نظامی ۱۸۶۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔	وفات۔ جولائی ۱۹۵۵ء ہوا
188	فاقے کا روزہ ماخوذ ہے	بیگمات کے آنسو

Prof. Mukhtar Ahmed

189	خواجہ حسن نظامی کہلاتے تھے۔	مصوّر فطرت
190	آفتاب حسن کا مضمون "پیٹرولیم کی کہانی" لیا گیا ہے۔	جدید معلومات سائنس
191	پروفیسر ابواللیث صدیقی کا مضمون "کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں "ماخوذ ہے۔	ادب ولسانیات
192	ڈاکٹر الیاس عشقی (محمد الیاس خان یوسف زئی) کا مضمون "سندھی شاعری کے تراجم" سے لیا گیا ہے۔	"الیاس عشقی کی اردو نثر"
193	احسان دانش کی نظم ہے۔	نوائے سروش
194	کتاب میں شامل "حمد" کے شاعر ہیں۔	ماہر القادری
195	کتاب میں شامل "نعت" کے شاعر ہیں۔	اقبال عظیم
196	قمر علی عباسی کا سفر نامہ "ملکہ بلقیس کا محل" ماخوذ ہے۔	عمان کے مہمان
197	منشی پریم چند (دھنپت رائے) کا افسانہ "زیور کا ڈبہ" ماخوذ ہے۔	زادِ راہ
198	علامہ اقبال کی نظم "مردِ مسلمان" ہے	ماخوذ از: کلیاتِ اقبال
199	نظیر اکبر آبادی کی نظم "رہے نام اللہ کا" مسدس کی طرز پر ہے۔	کلیاتِ نظیر
200	"آبِ حیات" افسانہ "تحریر غلام ربانی آگرو نے کیا ہے۔ اردو ترجمہ کیا ہے:	ناہید اختر سومرو نے

واحد	جمع	الفاظ	متضاد
کیفیت	کیفیات	شیریں	تلخ
کمال	کمالات	محتاج	غنی
مسجد	مساجد	امانت	خیانت
قدم	اقدام	انسانیت	حیوانیت
مدرسہ	مدارس	ستم	کرم
خیال	خیالات	خاص	عام
تقریب	تقاریب	شادی	غم
مثال	امثال	مقدور	ناکام
درجہ	درجات	آغاز	انجام
مکان	مکانات	زردار	بے زر۔ مفلس
قصّہ	قصص	باقی	فانی

Prof.Mukhtar Ahmed

کتاب	کتب	دکھ	سکھ
صاحب	صاحبان	غمگین	شاد
خموش	خموشاں	دیس	پردیس
اصلاح	اصلاحات	وطن	بے وطن
نگارش	نگارشات	عسرت	عشرت
مجتہد	مجتہدین	خوب صورت	بدصورت
خیال	خیالات	حاضر	غائب
		مندرجہ ذیل الفاظ میں متضاد اور مترادف الگ کریں	
مذکر	**مؤنث**	**مترادف**	**متضاد**
انتقام	فطرت	کالا۔سیاہ	موت-زندگی
لطف	رونق	نیکی۔اچھائی	دن-رات
مباحثہ	طبیعت	شرم۔حیا	خشکی-تری
اخلاق	انسانیت	خسارہ۔نقصان	بوڑھا-جوان
تجربہ	لپاڈکی	تکرار۔بحث	خوب صورت۔بدصورت
ہنگامہ	چٹان	**عمل "اشتقاق" سے لفظ بنایئے**	
سبب	قوت	بزرگ	بزرگانہ
تالاب	بناوٹ	رفیق	رفیقانہ
مسام	تہہ	نقاد	نقادانہ
دریا	تفصیل	مریض	مریضانہ
سروکار	شکن	حکیم	حکیمانہ

Prof.Mukhtar Ahmed

درجِ ذیل الفاظ وتراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ وتراکیب	جملے
ارباب بصیرت	ارباب بصیرت اگر کوشش کریں تو اردو کو ذریعہ تعلیم کے طور پر رائج کیا جاسکتا ہے۔
مفروضہ	یہ صرف مفروضہ ہے کہ اردو میں سائنس کی تعلیم ممکن نہیں۔
متنوع	اردو زبان میں ایسا تنوع ہے جو بہت کم زبانوں میں پایا جاتا ہے۔
اصطلاح	اردو زبان میں اصطلاح سازی پر بھی کام ہوا ہے
اعانت	ہم سب کی کوششوں اور اعانت کے بغیر اردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا جاسکتا۔
سایۂ عاطفت	اللہ تعالیٰ تمام بچوں کو ان کے والدین کے سایہ عاطفت میں رکھے۔
صلاح	مسلم لیگ کا 1906ء میں صلاح ومشورے کے بعد ڈھاکہ میں پہلا اجلاس ہوا۔
خستہ حال	ہمارے ملک میں غریب بہت خستہ حال ہیں اور انہیں بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں۔
اُڑالینا	میرے دوست نے میرے بیگ سے میرا قلم اڑالیا۔
کارستانی	میرے کمرے سے جو چیزیں گم ہوگئی ہیں وہ یقیناً امجد کی کارستانی ہے۔
دوڑ دھوپ	بہت دوڑ دھوپ کرنے کے بعد مجھے میری مطلوبہ چیزیں بازار سے ملی ہیں۔
لحاظ	ہمیں بڑوں کا ادب اور لحاظ کرنا چاہیے۔
جواب دہی	ہمیں قیامت کے روز کی جواب دہی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔
دھوم دھام	ہمارے ہاں جشن آزادی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔
ضمیر	غلط کاموں پر انسان کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔
گُل کھلانا	ٹھاکر نے کہا، مجھے نوکروں پر بھروسا نہیں ہے، یہ ضرور کوئی نہ کوئی گُل کھلائیں گے
اجنبیت	احمد اور عابد اجنبیت کے باوجود جلد گھل مل گئے۔
پگ ڈنڈی	پہاڑی سلسلے سے پگ ڈنڈی میرے کالج تک جاتی ہے۔
دامن بچانا	ہمیں غیر ضروری جھگڑوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔
زخم سہلانا	زندگی میں کچھ زخم ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں سہلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔
دم بہ خود	ڈاک خانے کا منشی بابا نور کو دیکھ کر دم بہ خود رہ گیا۔
رنگ فق ہونا	بابا نور کو دیکھ کر ڈاک خانے میں موجود لوگوں کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔
نصیبہ	کچھ لوگوں کا نصیبہ ہی خراب ہوتا ہے۔
مستفید	ہمیں بزرگوں کی باتوں اور مشوروں سے مستفید ہونا چاہیے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سرگوشیاں	نجمہ اور اسماء ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہی ہیں۔
ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا	احمد کو ہمیشہ جلدی ہوتی ہے اور وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے
ہوا سے باتیں کرنا	اکرم کی کار ہوا سے باتیں کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
اماوس	اماوس کی رات کی تاریکی باقی راتوں سے الگ ہی ہوتی ہے۔
ڈھیر ہونا	میں آج کالج میں اس قدر تھک گیا تھا کہ گھر پہنچتے ہی بستر پر ڈھیر ہو گیا۔
حلال کرنا	مولوی صاحب نے جمعے کے بیان میں کہا کہ ہمیں اپنی روزی حلال کرنی چاہیے۔
تکا بوٹی کرنا	پولیس والے نے غصے میں کہا کہ اگر وہ چور مجھے ملا تو میں اس کی تکا بوٹی کر دوں گا۔
سجدہ ہائے نیاز	نیک انسان اللہ کے سامنے سجدہ ہائے نیاز کرتے ہیں۔
قہر و غضب	رستم نے سہراب پر پورے قہر و غضب کے ساتھ حملہ کیا۔
چراغ بجھانا	ایک آدمی نے خود اپنی زندگی کا چراغ بجھا لیا۔
موذی جانور	سانپ اور بچھو موذی جانور ہوتے ہیں، ہمیں ان سے دور رہنا چاہیے۔
محبت و عاجزی	ہمیں اپنے بزرگوں کے ساتھ محبت اور عاجزی والا رویہ اختیار کرنا چاہیے
گل شاداب	اچھے لوگ گل شاداب کی مانند ہوتے ہیں جن کی مہک کبھی ختم نہیں ہوتی۔
خام خیالی	یہ تمھاری خام خیالی ہے کہ تم مجھے ہرا سکتے ہو۔
دم مارنا	جبار صاحب اتنے سخت ہیں کہ کوئی ان کے سامنے دم مارنے کی جرات نہیں کر سکتا۔
مبالغہ آرائی	والدین اپنے بچوں کی تعریف میں اکثر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔
رختِ سفر	کسی بھی منزل کے سفر میں رختِ سفر خاص اہمیت رکھتا ہے۔
مشیت ایزدی	دنیا کا ہر کام مشیت ایزدی ہوتا ہے۔
کشیدہ	پاکستان اور بھارت کے تعلقات اکثر کشیدہ رہتے ہیں۔
حسبِ وعدہ	مجھے امتحان میں کامیابی پر ابو نے حسبِ وعدہ موٹر بائیک دلوائی
بے آب و گیاہ	تھر میں بے آب و گیاہ چٹانی سلسلے ہیں جو خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔
عجوبہ	ہرام مصر کو دنیا کا سب سا بڑا عجوبہ سمجھا جاتا ہے۔
عبور کرنا	کسی پہاڑ کی چوٹی کو عبور کرنا نہایت مشکل اور دقت طلب کام ہے
چٹیل	صحرائے تھر میں خشک اور چٹیل میدان ہیں
تابع	جن ہوا، چرند اور پرند حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔
حسن و جمال	ملکہ سبا حسن و جمال میں لاثانی تھیں۔
عقل و فراست	ملکہ سبا حسن و جمال کے علاوہ عقل و فراست میں بھی یکتا تھیں
آگہی	اپنی آگہی میں اضافے کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

مرصع	ملکہ سبا کا تخت جواہرات سے مرصع تھا۔
معجزہ	انبیاء کرام اللہ کے حکم سے معجزہ دکھاتے ہیں۔
باقیات	کچھ قدیم شہروں کی باقیات اب بھی موجود ہیں۔
زنان خانہ	پرانے زمانے میں ہر گھر میں زنان خانہ الگ سے ہوتا تھا۔
مغموم	جنگ آزادی کے موقع پر شاہی خاندان پر ہونے والے مظالم سن کر دل مغموم ہو جاتا ہے۔
عجب بہار	رمضان میں مسجدوں میں عجب بہار کا سماں ہو جاتا ہے۔
مکلف	اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو ایسے کام کا مکلف نہیں بنایا جو اس کی دسترس سے باہر ہو۔
زیروزبر	دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مغلیہ سلطنت زیروزبر ہو گئی۔
ماماگیری	جنگ آزادی کے بعد بڑے بڑے امراء کی خواتین دربدر ہو کر ماماگیری کرنے لگیں۔
دلاسہ دینا	ہمیں دکھ کے موقع پر اپنے عزیزوں کو دلاسہ دینا چاہیے۔
مکدر ہونا	میرے بھائی نے جب مجھے ڈانٹا تو میری طبیعت مکدر ہو گئی۔
وہم وگمان	عاشر کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ امتحان میں فیل ہو سکتا ہے۔
سرِراہ	ہمیں سرراہ گزرتے ہوئے اپنے آس پاس نظر رکھنی چاہیے۔
مبدۂ فیض	لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کا مزار لوگوں کے لیے آج بھی مبدۂ فیض ہے۔
ناگہانی	بارش اور سیلاب ہماری حکومت کی بد انتظامی کی وجہ سے نگہانی صورتِ حال پیدا کر دیتے ہیں۔
بے لوث	والدین اپنے بچوں سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔
خون کے گھونٹ پینا	جب میرے بھائی نے امی سے میری شکایت لگائی تو میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
ترکی بہ ترکی جواب دینا	بھکاری نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ہاں بابا ہم غریب بیوقوف ہوتے ہیں۔
آپے سے باہر ہونا	میں نے اس کی بات کو نہیں مانا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔
افق	علامہ اقبال کا نام شاعری کے افق پر چمکتے سورج کی مانند ہے۔
اوسط	جاپان میں لوگوں کی اوسط عمر تقریباً 85 برس ہے۔
شیوہ	مومن کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہو۔
مداوا	ہمیں غریبوں کے مسائل اور دکھوں کا مداوا کرنا چاہیے۔
روش	غالب خطوط نگاری کی پرانی روش کو ناپسند کرتے تھے۔
موقوف	غالب نے خطوط میں غیر ضروری باتوں اور القابات کو موقوف کرنے کی روایت ڈالی
زوائد	غالب خط میں لکھتے ہیں کہ میں نے امر ضروری کو لکھ لیا اور زوائد وار وقت کے لیے موقوف رکھا ہے۔
مطالب	حکایاتِ سعدی میں ایسے اعلیٰ مطالب پائے جاتے ہیں۔ جن کی نظیر نہیں ملتی۔
الم	ہمیں رنج والم اور راحت وسکون بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

تراکیب کی وضاحت کیجیے:	
نور الہدیٰ	اس کے معنی ہدایت کا نور، تاریکیوں کا چراغ ہے۔ نعت میں مراد شہر مدینہ ہے
شمس الضحیٰ	اس کے معنی سورج کی طرح چمک دار اور روشن کے ہیں۔ نعت میں اس سے مراد شہر مدینہ کی صبح ہے۔
بدر الدجیٰ	اس کے معنی چودھویں کا چاند ہے۔ اس نعت میں اس سے مراد مدینے کی روشن اور منور شام ہے۔
خاک شفا	وہ خاک، مٹی جو شفا کا باعث ہو۔ یہاں اس سے مراد مدینے کی مٹی ہے۔
عمرِ رواں	اس کے معنی گزرتی ہوئی زندگی ہے۔

الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی
جوہر	ہنر، مہارت، کمال	درِ مقصود	مطلوبہ موتی پتھر
فکر و دانش	عقل مندی، ذہانت و فطانت	درجِ وہاں	زیورات رکھنے کی ڈبیا کا شگاف
وجدان	جاننے کی قوت، اپنے اندر کی آواز	کانِ ملاحت	نمک یا نمکینی معدنی سراپا
نقش و نگار	سجاوٹ، بیل بوٹے	درِ یکتا	بے مثل موتی
نکہت	خوشبو۔ مہک	اقلیمِ سخن	شعراء کا سردار۔ بادشاہ
زربفت	چاندی کے تاروں والا کپڑا	صبر و رضا	اللہ کی رضا میں راضی رہنا
مقیش	چاندی کے تار	بن	بغیر
مشام	سونگھنے کی قوت	حلاوت	مٹھاس۔ شیرینی
دست بستہ	ہاتھ باندھے ہوئے	گھُٹی میں ہونا	فطرت میں ہونا
تارِ نظر	نظر اٹکنا	غم خوار	دکھ درد کا ساتھی۔ رفیق
گُل کاری	پھول بنے ہونا	جبرئیل	بندۂ خدا اللہ کا مقرب فرشتہ جس کام انبیاء کو وحی پہنچانا
خانہ ٔباغ	گھر کے اندر کا باغ محل کے اندر باغ	برہان	دلیل۔
برق رو	تیز رفتار۔ بجلی کی رفتار والا	لالہ	ایک قسم کا سرخ پھول
قدم ملانا	ساتھ چلنا	آہنگ	انداز۔ طور طریقہ
رَوش	طرز۔ طریقہ	زینہار	ہرگز
چراغِ فکر	فکر کی روشنی	مقدور	طاقت ہونا، ہمت ہونا
تیز گام	تیز چلنے والے۔ تیز رفتار	تعقل	عقل میں آنا، سمجھ میں آنا

Prof. Mukhtar Ahmed

نوائے سروش	فرشتوں کی آواز	حرف دوئی	اللہ کی وحدانیت میں کسی کو شریک کرنا
تن بہ تقدیر	خود کو تقدیر کے حوالے کرنا۔ قسمت پر شاکر	اپنے تئیں	اپنی مرضی، اپنی طاقت سے، خود کو خود سے
گھنگھور	نہایت سیاہ، خوف ناک۔ گہرا بادل	کاسۂ سر	کھوپڑی کا ڈھانچہ
بہ تدریج	آہستہ آہستہ۔ درجہ بہ درجہ	عمر عزیز	قیمتی پیاری زندگی
ترکِ جہاں	دنیا چھوڑ دینا	مستعار	ادھار لیا گیا
ساون	برسات۔ برسات کا موسم	فکرِ پریشاں	کسی پریشانی یا مصیبت میں ہونے والی بے چینی کیفیت
شعلہ بدن	سخت محنت، گرمی اور سورج کی حدت سے بدن سرخ ہو جاتا	صوتِ جرس	قافلے کی گھنٹی کی وہ آواز جو قافلے کو یک جا رکھتی ہے۔
عظمتوں کی زبان	جن کی زبان عظمتوں کو بیان کرے	مدعی	دعوی کرنے والا
اہلِ قلم	یہاں مراد اہل قلم ہیں۔ لکھنے والے	اسپِ عمر	عمر کا گھوڑا (مراد زندگی ہے)
لہروں کے پالے ہوئے	ملاح۔ مچھیرے۔ شاعر نے انھیں لہروں میں پلا ہوا قرار دیا ہے	خلق خدا	لوگ۔ عوام
کوہ کن	پہاڑ کھودنے والے۔ مزدور	صیاد	شکاری
قائم و دائم	ہمیشہ رہنے والا	نہال	خوش
اخلاص	خلوص اور محبت	طبل و علم	نقارہ اور جھنڈا (یہاں مراد ساز و سامان ہے)
تن آسانی	سہولت پسندی رکاملی رستی	نظارہ سوز	آنکھوں کو جلانے والا نظارہ
خستہ حالی	بدحالی۔ خراب حالت	مہرِ نیم روز	آدھے دن کا سورج
پیروی	تقلید رپیچھے چلنا	جمال دل فروز	دل کو روشن کر دینے والا حسن
رخت سفر	سامان سفر رمتاع سفر اسباب / دولت	مدعا	معاملہ
کسر ہونا	کمی ہونا	سبزہ و گل	پھول اور پودے
سودا	ہنگامہ۔ معاملہ	بے کسی	ویران، بے سہارا ہونا
یاس	مایوسی۔ ناامیدی	بسا غنیمت	قابلِ قدر کافی ہونا، بہت اچھا ہوا
بے دلی ہم رہاں	ساتھیوں۔ ہمراہیوں کی بے دلی	رختِ سفر	سامان سفر۔ متاع سفر۔ اسباب / دولت
کش مکش	تذبذب۔ پریشانی	عشرت زیست	زندگی کی خوشی۔ عیش
زراہ ناز	ناز کے ساتھ محبت کے ساتھ	رات کٹ جانا	رات گزر جانا رپریشانی ختم ہو جانا

Prof Mukhtar Ahmed

سر اٹھانا	الگ ہونا مر علاحدہ ہونا، بغاوت ہونا	چاک جگر ہونا	جگر کو کاٹنا۔ تکلیف اٹھانا
تنگ آنا	پریشان ہو جانا	گرم سفر ہونا	سفر کی تیزی
بُرج	اونچی عمارت۔ گنبد مینارہ	زد میں آنا	شکار ہونا۔ پھنس جانا
دام میں لانا	پھانس لینا۔ گرفتار کر لینا	زرفشانی	چہرے کی شگفتگی۔ چمک دمک
منھ پھیر کے جانا	چھوڑ کے جانا۔ ناراضگی کا اظہار کرنا دھوکا دینا	ماما گیری	خادمہ، کنیز، ملازمہ،

اسباق کے سوالات وجوابات

سوال: پرانے زمانے میں لفظ قوم سے کیا مراد لی جاتی تھی؟

جواب: اب پرانے زمانے میں قوم سے مراد کسی بزرگ کی نسل میں سے ہونے یا کس ملک کا باشندہ ہونے سے لی جاتی تھی۔

سوال: اسلام نے تفرقہ قومی کو مٹا کر کون سا رشتہ قائم کیا؟

جواب: اب اسلام نے افریقہ قومی کو مٹا کر ایک روحانی رشتہ قائم کیا جو کہ طیبہ سے ماخوذ تھا۔

سوال: سرسید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ کیا ہے؟

جواب: سرسید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ یہ ہے کہ سب آپس میں محبت اور اتحاد قائم کریں اور عداوت وفاق کو دور کرلیں۔

سوال: یکتائی و یکجہتی سے کیا مراد ہے؟

جواب: یکتائی و یکجہتی سے مراد تمام اقوام اور مذاہب کے لوگوں کا آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ امن و بھائی چارے سے رہنا ہے۔

سوال: مسلمانوں کے زوال کا سبب کیا ہے؟

جواب: مسلمانوں کے زوال کا سبب یہ ہے کہ ہم نے قومی اتفاق کو فراموش کر دیا ہے اور ہر معاملے میں اپنا کر دیا اپنی غرض کو اہمیت دیتے ہیں اس لیے ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی۔

سوال: سرسید کے مطابق قومی اتحاد کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سرسید کے مطابق قومی اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام امور انسانیت میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں اور آپس میں سچی محبت پکی دوستی اور برادرانہ تعلقات قائم رکھیں۔

سوال: قومی ہمدردی کے کیا فائدے ہیں؟

جواب: قومی ہمدردی سے خدا کے حکم کی اطاعت ہوتی ہے۔ آپس میں اچھے برتاؤ، قوم اتفاق اور ہمدردانہ رویے سے قومی ہمدردی پیدا ہوتی ہے جو قومی ترقی کی پہلی منزل ہے۔

سوال: شخصی اور قومی اتفاق میں کیا فرق ہے؟

جواب: شخصی اتفاق سے مراد کسی معاملے پر دو یا سے زیادہ لوگوں کا اتفاق ہے۔ جب کہ کسی قوم یا ملک کے معاملے پر ملک میں رہنے والی تمام اقوام کے مذاہب کے ماننے والوں کا اتفاق قومی اتفاق کہلاتا ہے۔

سوال: بچپن میں زبان کا کیا کردار بیان کیا گیا ہے؟

جواب: بچہ بچپن میں اپنی توتلی زبان سے نام اور ادھورے جملے بولتا ہے اور سب کو محفوظ کرتا ہے اور کبھی کبھی شرارتوں اور رویوں سے ماں باپ کا دل بھی دکھاتا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: کن باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے؟

جواب: جھوٹ، غیبت، تہمت، چغلی اور غیر ضروری باتوں کے استعمال سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے۔

سوال: حالی نے زبان کی طاقت کو نمونہ الٰہی کیوں کہا ہے؟

جواب: حالی کہتے ہیں کہ زبان بظاہر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے مگر اس میں اللہ تعالی نے ایسی طاقت رکھی ہے کہ جس کے ذریعے انسان اپنی زندگی کو بہترین بنا سکتا ہے۔ اس میں اللہ نے سچائی اور اظہار آزادی جیسی خصوصیات بھی رکھی ہیں لیکن اگر ان خصوصیات کو درست طریقے سے استعمال کیا جائے تو ہی آگے بڑھنا ممکن ہے۔

سوال: مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا؟

جواب: مصاحب نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ پریشان ہونے کی بجائے شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے جائیے، عجب بہار ہوتی ہے رنگ رنگ کے آدمی، طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے اور آپ کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔

سوال: کُلِ جدید لذیذ سے کیا مراد ہے؟

جواب: کُل جدید لذیذ سے مراد یہ ہے کہ ہر نئی چیز یا شے خوب صورت، خوشنما اور اچھی نظر آتی ہے۔

سوال: مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ مسجد جانے لگے؟

جواب: مسجد میں طرح طرح کے لوگوں کو دیکھ کر جو کہیں قرآن پڑھنے میں مشغول تھے اور کہیں مذہبی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے اور کوئی وظائف میں مشغول تھے، اس کے علاوہ افطاری کے وقت شہر کے امراء کی طرف سے روزہ داروں کے لیے طرح طرح کے دستر خوان آنے لگے۔ اس سے مسجد میں ایک الگ ہی سماں ہو گیا مرزا کے دل میں اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور وہ باقاعدہ مسجد آنے لگے۔

سوال: غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کریں؟

جواب: انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو قلعہ برباد ہو گیا شہزادوں کو قتل کر دیا گیا، امیروں کو پھانسیاں دی گئیں بادشاہ کے تخت پر بھی قبضہ ہو گیا اور شاہی خاندان کی بیگمات دربدر ہو کر ماماگیری کرنے لگیں۔ اور مسلمانوں کی شان و شوکت ختم ہو گئی

سوال: اردو زبان کی ترقی میں پہلے کن لوگوں نے حصہ لیا؟

جواب: اُردو زبان کی ترقی میں سب سے پہلے صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے توجہ دی اور اسے برصغیر میں تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات اور مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف میں بھی اختیار کیا۔

سوال: اردو سے پہلے برصغیر پاک وہند میں فارسی زبان کا کیا مقام تھا؟

جواب: اردو سے قبل برصغیر پاک وہند میں فارسی سرکاری اور دفتری زبان تھی اور یہی علمی و ادبی زبان بھی تھی۔ فارسی لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔ بعض لوگوں کی یہ مادری یا پدری زبان تھی اور اتنی عام ہو گئی تھی کہ لوگ نہ صرف اس زبان میں شعر کہتے تھے بلکہ دیوان اور مجموعے تک مرتب کرتے تھے اور علمی و ادبی اور تاریخی کتابیں بھی لکھتے تھے۔

سوال: فن ترجمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟

جواب: کسی ایک زبان کی کسی تخلیق یا کتاب کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل فن "ترجمہ نگاری" کہلاتا ہے۔

سوال: اچھے مترجم میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟

جواب: ایک اچھے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان کا ترجمہ کر رہا ہے دونوں زبانوں کا ماہر ہو۔ مترجم واصل مصنف کے انداز تحریر، اس کے نظریات اور عصری تقاضوں سے جس قدر واقفیت ہو گی ترجمہ اتنا ہی عمدہ ہو گا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: سندھی زبانوں کے منظوم ترجموں کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے ؟

جواب: سندھی زبانوں کے منظوم ترجموں کا سلسلہ حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی شاعری کے ترجموں سے شروع ہوتا ہے۔

سوال: "شاہ جو رسالو" کا اولین منظوم ترجمہ کس نے کیا؟

جواب: "شاہ جو رسالو" کا اولین مظوم ترجمہ بالا کے مولوی ہدایت اللہ مرحوم نے فاری زبان میں کیا۔

سوال: چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا؟

جواب: چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز ٹیوشن پڑھا کر کیا۔

سوال: کس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تھا کہ صاحب چندر پرکاش پر اعتماد کرتے تھے ؟

جواب: ٹھاکر صاحب نے اپنے بیٹے کے کی شادی کا سارا انتظام چندر پرکاش کے ہاتھ میں دے دیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو چندر پرکاش پر پورا اعتماد کرتے تھے۔

سوال: چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال کیسے آیا؟

جواب: چندر پرکاش نے جب ٹھاکر صاحب کے بیٹے کی شادی کے لیے پانچ ہزار روپے کا زیور خریدا تو اس قدر مہنگا اور خوب صورت زیور دیکھ کر اس کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال پیدا ہوا۔

سوال: چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا مکان کیوں چھوڑا؟

جواب: چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا مکان اس لیے چھوڑا کیوں کہ اس گھر میں رہتے ہوئے اسے خدشہ تھا کہ کہیں پولیس آ کر اس کے گھر کی تلاشی نہ لے لے۔

سوال: ٹھاکر صاحب کے چندر پرکاش پر کسی ایک احسان کی تفصیل بتائیے۔

جواب: چندر پرکاش کو بینک میں ملازمت کے لیے دس ہزار روپے کی ضمانت درکار تھی جو اس کے پاس نہیں تھے۔ اسی لئے اس نے بینک میں نوکری کے لیے درخواست نہ دی۔ ٹھاکر صاحب نے اس سے استفسار کیا تو چندر پرکاش نے تفصیل بتائی ٹھاکر صاحب نے اسے دلاسہ دیا اور کہا کہ تم درخواست دو ضمانت کا بندوبست ہو جائے گا اور پھر ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش کی دس ہزار روپے کی ضمانت دے دی اور اسے بینک میں مینیجر کی نوکری مل گئی۔

سوال: بابا نور ڈاک خانے کے چکر کیوں لگا تا تھا؟

جواب: بابا نور یہ سمجھتا تھا کہ ڈاکیا اس کے بیٹے کا خط لایا ہو گا لہذا وہ بار بار ڈاک خانے کے چکر لگا تا تھا۔

سوال: بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی کیوں تعریف کی ؟

جواب: بابا نور نے کھیت میں کام کرتی ہوئی لڑکی کی اس لیے تعریف کی کیونکہ وہ گندم کے پودوں کے درمیان انتہائی صفائی سے درانتی سے گھاس کاٹ رہی تھی۔

سوال: زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پیٹرولیم کی اہمیت ہے ؟

جواب: ہماری زمین انمول خزانوں سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے ان میں پیٹرولیم توانائی کی ایک قسم ہے یہ ایسی شے ہے۔ جس کا بدلنا مشکل ہے۔

سوال: قدیم دور میں پیٹرول کس کس طرح استعمال کیا جاتا تھا؟

جواب: قدیم زمانے میں تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کم میں لایا جاتا تھا۔ زخموں کو اچھا کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ پیٹرولیم سے جب بخارات میں تبدیل ہو جانے والے اجزاء نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑھی شے بن جاتی ہے اس کو قیر (پچ) کہتے ہیں اس کو قدیم زمانے میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے محفوظ ہیں ایک نے ہے اسکو تیری کہتے ہیں اسکو قدیم زمانے میں کو کے ارے محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: رسوبی چٹانیں کیا ہیں اور یہ کیسے وجود میں آتی ہیں؟

جواب: یہ جو سنگ مرمر ریت پھر چونا پتھر شیل اور دوسرے کی تہہ بہ تہہ جمے ہوئے پتھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے یہ چٹانیں اب تک تو خشکی میں ہیں۔ لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔

سوال: شہزادے مہران میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟

جواب: شہزادہ مہران عقل مند، رحم دل اور خدا ترس تھا۔

سوال: شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو کیا جواب دیا؟

جواب: شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو جواب دیا کہ جس وقت وہ ہرن کی گردن پر چھری پھیرنے لگا تو اس کی آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں اس وقت ہرن کی آنکھوں میں نہ تو نرگس کے پھولوں جیسی خوبصورتی تھی اور نہ ہی تاروں جیسی چمک اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف موت کا سایہ تھا۔

سوال: غار میں شہزادے مہران کی ملاقات کس سے ہوئی؟

جواب: غار میں شہزادے مہران کی ملاقات اس مچھلی سے ہوئی جو حضرت خضر کے ہاتھ سے چھوٹ کر آب حیات میں گر گئی تھی۔ مچھلی نے شہزادے کو کیا نصیحت کی؟

سوال: رستم نے خدا کے حضور کیا دعا کی تھی اور اس دعا کا کیا انجام ہوا؟

جواب: رستم نے خدا کے حضور دعا کی کہ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار مجھے میری جوانی کا زور و جوش واپس کر دے۔ اس دعا کے بعد رستم میں ایسی ہمت اور جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ اس نے سہراب کو شکست دے دی۔

سوال: سہراب نے رستم کو کیا پیشکش کی اور رستم نے اس پیشکش کا کیا جواب دیا؟

جواب: سہراب نے رستم کو پیشکش کی کہ تو واپس چلا جا اور اپنے بجائے کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ جس کے جواب میں رستم نے کہا کہ کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لئے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے اور تقدیر کا پہیہ ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

سوال: سہراب اپنے مد مقابل یعنی رستم کی موت کیوں نہیں چاہتا تھا؟

جواب: سہراب رستم کی موت اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ اسے شک تھا کہ رستم اس کا باپ ہے اور اس کا دل بھی اس کی موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں تھا۔ ایک غیبی آواز بار بار اسے رستم سے جنگ کرنے سے روک رہی تھی۔

سوال: بلّی کا رنگ سیاہ کیسے ہوا؟

جواب: بلّی کو میاں نے کوئلوں کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا اس لیے بلّی کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔

سوال: میاں بلّی سے کیوں بیزار تھے؟

جواب: جب سے بی بی آئی تھی ان کی بیگم کی ساری توجہ اس بلّی پر صرف ہو رہی تھیں یہی نہیں اس بلّی کی وجہ سے ان کے تعلقات پڑوسیوں سے بھی خراب رہنے لگے مرغی کے چوزے بلی کھا چکی تھی اور بہلی کی وجہ سے ہی گھر بھی گندہ رہتا تھا جس کی وجہ سے میاں بلی سے بیزار تھے۔

سوال: میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے کیوں بھیجا؟

جواب: میاں نے بیگم کو یہ بتایا کہ ان کی بلّی کسی کار کے نیچے آ کر مر گئی ہے تو بیگم شدت غم سے نڈھال ہو گئی۔ جس پر میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے بازار بھیجا۔

سوال: کارونجھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ واقع ہے؟

جواب: کارونجھر پہاڑی سلسلہ صحرائے تھر کے علاقے ننگر پارکر میں واقع ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کس طرح کی ہے؟

جواب: مصنف نے لکھا ہے کہ عجب چٹانی سلسلہ ہے۔ صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الوروان کی مانند شاید ان سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔ بظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر خنک اور میٹھے پانیوں کے ذخیرے پوشیدہ تھے۔

سوال: تھر کی بچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی؟

جواب: تھر کی بچی دعوی کر رہی تھی کہ وہ چٹانی سلسلے کی بلند ترین چوٹی تک تین منٹ میں پہنچ سکتی ہے اور وہاں لگے جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آسکتی ہے۔

سوال: مصنف نے تھر کی بچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا اور کیوں؟

جواب: مصنف نے تھر کی بچی کی عالمی شہرت یافتہ ایتھلیٹ لڑکی نادیہ کمانچی کے مترادف مانا ہے کیونکہ دونوں کے ناموں میں مماثلت ہے۔

سوال: حضرت سلیمان کے دربار میں کون غیر حاضر تھا؟

جواب: ہُدہُد ایک دوسرے ہُدہُد کے ساتھ شہر سبا چلا گیا تھا جہاں کی حکمران ملکہ بلقیس تھی۔ اس لیے ہُدہُد حضرت سلیمان کے دربار سے غیر حاضر تھا۔

سوال: ہُدہُد کو کیا تحفہ ملا؟

جواب: حضرت سلیمان نے ہُدہُد کو تحفہ دیا۔ اس کے سر پر تاج بنا دیا جو آج تک ہُدہُد کے سر پر نظر آتا ہے۔

سوال: ہُدہُد نے ملکہ سبا کے محل کی کیا منظر کشی کی؟

جواب: ہُدہُد نے بتایا کہ میں نے بلقیس دخترِ تراجیل کو دیکھا۔ حسن و جمال میں بے مثال عقل و فراست میں لاثانی شان و شوکت میں باکمال، ۳۰ گز کے تخت پر بیٹھی تھی۔ جواہرات سے مرصع، چاروں پائے یاقوت سرخ، زمرد، آب دار لعل مثل انار اس میں جڑے تھے۔

سوال: ملکہ سبا نے تحفتاً حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیا کیا اشیاء بھجوائیں؟

جواب: ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سات سونے چاندی کی اینٹیں اور سات زربفت کے تھان بھجوائے۔

سوال: جن نے ملکہ سبا سے متعلق کیا معلومات فراہم کی تھیں؟

جواب: جن نے ملکہ سبا کے بارے میں خبر دی تھی کہ اس کی ماں کا تعلق جن کے قبیلے سے ہے اور عقل میں کم ہے۔

سوال: موٹر ورکشاپ کا مالک اپنی کسی عادت سے مجبور تھا؟

جواب: موٹر ورکشاپ کا مالک اپنے کام میں اس قدر منہمک ہوتا تھا کہ بعض اوقات سوتے سوتے چلا کر کہنے لگتا: بریکیں لگاؤ! اسٹارٹ کرو۔ یہاں تک کہ مصنف کے ساتھ ایک بار اونٹ پر بیٹھا اور اونٹ جب تیز ہوا تو یکدم بولا کہ دوسرے گیئر میں لے آؤ۔

سوال: حجامت کرانے والے صاحب کیوں شرمندہ ہوئے؟

جواب: حجامت کروانے والے صاحب جب حجامت کروا رہے تھے تو سڑک پر ایک شخص چلایا: عبد القدوس صاحب کے گھر میں آگ لگ گئی۔ یہ سن کر حجامت کروانے والا سرپٹ دوڑنے لگا گئی لوگوں سے ٹکرا کر گھر کی طرف بھاگا تو راستے میں خیال آیا کہ اس کا نام تو عبد القدوس ہے ہی نہیں۔ اسی بات پر وہ شرمندہ ہوئے۔

سوال: مغربی ملکوں میں مریضوں اور ڈاکٹروں کی کیا صورتحال بیان کی گئی ہے؟

جواب: مغربی ممالک میں ڈاکٹر اور مریضوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان ممالک میں ہر سو پچاس پر ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔ کچھ ممالک ایسے بھی ہیں جن میں ہر پانچ سات آدمیوں کے پیچھے ایک ڈاکٹر ہے ایک دو ملک ایسے بھی ہیں جن میں ہر ایک فرد کے پیچھے دو ڈاکٹر بھاگ رہے ہیں۔

سوال: کراچی میں اوسطاً کتنے مریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے؟

جواب: کراچی میں اوسطاً سات سو آدمیوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر دستیاب ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: سبق میں بزرگ کو کہاوت کی تصحیح کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: صحیح کہاوت ہے "ایک انار سو بیمار" مگر مصنف کے مطابق کراچی قندھار نہیں ہے یہاں سو بیمار کے پیچھے ایک انار نہیں بلکہ ایک انار ہے (اناڑی کا مخفف) کیونکہ اناڑی یا تائی ہزار رنگ اور ہزار قسم کے ہوتے ہیں۔

سوال: مصنف نے علاج کے نام پر کون کون سے طریقوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے اور کیوں؟

جواب: مصنف نے ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی فٹ پاتھی، حکیم، وید، عامل، کامل پنجم، جغار، طلب چین والے تعویز والے، انگوٹھیوں والے معالجوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ان سب معالجین کی ریل پیل سے اب ہر مریض پر ایک ڈاکٹر دستیاب ہے۔ اور ویسے بھی تمام معالجین کا مقصد قبرستان بھرنا ہی ہے۔ بس دیر سویر ممکن ہے۔

سوال: حکیمی علاج سے کیا مراد ہے؟

جواب: حکیمی علاج سے مراد عطائیوں کا علاج ہے جس میں اللہ کا کم ہو تو بندہ بچ جاتا ہے ورنہ جو اللہ کا حکم۔

سوال: مصنف نے کسی معاشرتی رویے کی نشاندہی کی ہے؟

جواب: مصنف نے اپنے اس مضمون میں معاشرے میں صحت کے ساتھ تجربات کرنے والوں پر لطیف طنز کیا ہے۔

سوال: خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روش سے غالب کی کیا مراد ہے؟

جواب: خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روش سے غالب کی مراد خط کا روایتی انداز ہے جس میں ابتداء القابات سے اور خیریت وغیرہ سے کی جاتی تھی۔ یہ روش غالب کو پسند نہیں تھی اور وہ بے تکلف خط لکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔

سوال: علامہ اقبال نے آم کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟

جواب: اقبال نے لکھا ہے کہ آم درد گردہ کے مریضوں کے لیے اچھا ہے اور مجھے بھی اس سے محبت ہے۔ اور کھانے کی چیزوں میں صرف آم ہی ہے جسے کھانے کی مجھے خواہش ہوتی ہے۔

سوال: علامہ اقبال نے اپنی تصنیف "رموز بے خودی" کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

جواب: اقبال نے اپنی تصنیف "رموز بے خودی" کے بارے میں لکھا ہے کہ میں اپنے خیال میں اسے ختم کر چکا تھا مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اور اس میں دو تین ضروری مضامین باقی ہیں۔

سوال: دار المصنفین اور جھنڈیر میں کیا بات مشترک ہے؟

جواب: دار المصنفین اور جھنڈیر میں مشترکہ بہت بڑی اور عمدہ لائبریریاں ہیں جہاں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔

سوال: شاعر نے قدرت کے کرشمے کن چیزوں کو قرار دیا ہے؟

جواب: شاعر نے قدرت کے کرشمے خزاں اور بہار کو قرار دیا ہے۔

سوال: فطرت کی پکار کسے کہتے ہیں؟

جواب: شعر میں فطرت کی پکار سے مراد خدا کا اقرار یا خدا کے واحد ہونے پر یقین رکھنا ہے۔

سوال: شاعر نے حمد میں فکر و دانش کی معراج یا وجدان کی آواز کو خدا کا اقرار کیوں کہا ہے؟

جواب: وہ انسان جو اپنی فکر و دانش کے ذریعے اپنی ذات کو تیر کر لیتا ہے یا اپنی شخصیت کا عرفان حاصل کر لیتا ہے وہ پھر خدا کو جان لیتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ تخلیق مقصد کو بھی اسی لیے شاعر نے خدا کے اقرار کو فکر و دانش کی معراج یا وجدان کہا ہے۔

سوال: نعت میں حضرت محمد ﷺ کے منصب کو کس دلیل سے بلند ثابت کیا گیا ہے؟

جواب: نعت میں نبی کریم ﷺ کو نبیوں کا امام کہا گیا ہے۔ اور امام کا منصب مقتدی سے بڑا ہوتا ہے۔ اسی رتبے سے نبی کریم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: حضرت محمد ﷺ کے رتبے کی حد بیان کرنے سے ہم کیوں قاصر ہیں؟

جواب: ہم نبی کریم اللہ کے رتبے کی حد بیان کرنے سے اس لیے قاصر ہیں کیونکہ اس پوری کائنات میں صرف خدا کی ذات ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑی اور مکرم ہے۔ جب خدا کی ذات اور اس کی صفات لا محدود ہیں تو اس نسبت سے حبیب خدا ﷺ کا مقام و مرتبہ بھی اس قدر بلند و بالا ہے کہ ہم ان کے رتبے کی حد بیان کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

سوال: اس نعت میں حضرت محمدؐ کی کن کن پہلوؤں سے تعریف بیان کی گئی ہے؟

جواب: اس نعت میں شاعر نے نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آ امام الانبیاء ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد آپ ہی کی ذات بزرگ و برتر ہے اور آپ کے شہر کی مٹی ہمارے لئے خاک شفا کی مانند ہے۔

سوال: چمن نظم سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: چمن نظم سے شاعر کی مراد ان کی نظم گوئی یا شاعری ہے۔

سوال: حالی نے نیکی کی تصویر کسے کہا ہے؟

جواب: حالی نے عورتوں کو نیکی کی تصویر کہا ہے

سوال: حالی نے عورتوں کی فطرت کسے قرار دیا ہے؟

جواب: حالی نے عورتوں کی فطرت شرم وحیا کو قرار دیا ہے۔

سوال: حالی نے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی اہمیت کس طرح بیان کی ہے؟

جواب: حالی نے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمھاری وجہ سے ہی دنیا خوب صورت ہے۔ تم ہر رشتے میں خاص ہو۔ چاہے ماں ہو، بیٹی، بہن یا بیوی تمھارے بغیر گھر ویران ہیں اور تمھاری وجہ سے ہی گھروں میں برکت ہے۔

سوال: علامہ اقبال کے نزدیک کون کون سے عناصر مسلمان بننے کے لیے ضروری ہیں؟

جواب: علامہ اقبال نے قہاری، غفاری، قدوی، جبروتی ان چار ناصر کو مسلمان بنے کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

سوال: علامہ اقبال کے نزدیک جبرئیل امین کا ہمسایہ کون ہے؟

جواب: علامہ ااقبال کے نزدیک انسان (مرد مومن) ہی جبریل امین کا ہمسایہ ہے۔

سوال: تن بہ تقدیر سے کیا مراد ہے؟

جواب: تن بہ تقدیر سے مراد یہ ہے کہ تقدیر یا قسمت کا غلط مفہوم لینا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس انتظار میں رہنا کہ جو قسمت میں ہو گا، ہو جائے گا۔

سوال: خواجہ میر درد کی غزلوں کا موضوع کیا ہے؟

جواب: میر درد ایک صوفی شاعر ہیں اور ان کی غزلوں کے موضوعات بھی صوفیانہ ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اللہ تعالی کی عظمت و بڑائی بیان کرنے کے علاوہ انسانوں کے دنیا میں آنے کے مقاصد کو بیان کیا ہے۔

سوال: حضرت محمدؐ سے "لو" لگانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: محبوبِ الٰہی سے محبت ہی کے ذریعے دراصل خالق برحق کی محبت کا خود کامل ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حضرت محمد سے لو لگائی جائے اور لو لگانے" سے مراد آپ کے قولی فعلی احکامات اور اسوۂ حسنہ پر مکمل عمل پیرا ہوا جائے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سوال: نفس کی پیروی سے کیا مراد ہے اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ تفصیلاً بیان کیجیے۔

جواب: نفس کی پیروی سے مراد ہے کہ اپنی ذاتی خواہشات کو خدا کی رضا اور احکامات پر ترجیح دی جائے نفس کی پیروی کرنے والا شخص اپنی ذاتی خواہشات کو فوقیت دے کر عافیت کی راہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک ایسی گہری دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے کہ اسے صحیح اور غلط کی تمیز نہیں رہتی۔

اسے اس کی خواہشات اندھا، گونگا اور بہرا کر دیتی ہیں، اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، نتیجاً وہ بھٹک جاتا ہے، بہک جاتا ہے اور زمین پر خدا کا نائب ہوتے ہوئے بھی اس کے احکامات سے روگردانی کرنے لگتا ہے اور شیطان کا پیروکار بن جاتا ہے۔ دنیاوی لذتوں اور تن آسانیوں کو خدا کی رضا پر فوقیت دینے لگتا ہے۔ جب کہ حقیقی فلاح پانے اور خود کو خدا کی محبت کا اہل ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی پیروی کی جائے، ذاتی اغراض و مفادات کو خدا کی رضا پر قربان کر دیا جائے تو نفس کی پیروی سے بچا جا سکتا ہے اور حقیقی فلاح و کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں کسے سچا ٹھکانہ ملتا ہے؟

سوال: دنیا میں کسے سچا ٹھکانہ ملتا ہے؟

جواب: وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے نفس کی پیروی سے دور رہے اور اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے احکامات پر سختی سے کاربند رہے، شرک کی نفی کی صراط مستقیم کا راستہ اختیار کیا، وہی لوگ در حقیقت دنیا و آخرت میں سچا ٹھکانہ پانے والے ہوں گے۔

سوال: آرام پرستی کے کیا کیا نقصانات ہیں؟ واضح کیجیے:

جواب: آرام پرستی تن آسانی سستی اور کاہلی پیدا کرتی ہے اور سست آدمی محنت اور آزمائش کا متحمل نہیں ہو سکتا جب کہ دنیا کا نظام مالک برحق نے نہایت عمدگی سے ترتیب دیا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

حصہ ٔ۔ نظم

حمد

شاعر "ماہر القادری"

فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار
یہی وجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار

حوالہ: یہ شعر سالِ اول اُردو کے نصاب "گلزار اُردو" کے حصہ نظم میں شامل "حمد" سے لیا گیا ہے۔ اس نظم کے شاعر "ماہر القادری" ہیں۔ یہ حمد ان کے مجموعہ کلام "ذکرِ جمیل" سے ماخوذ ہے۔

تشریح: اس شعر میں ماہر القادری فرماتے ہیں کہ دانش مند اور عقل مند وہ شخص ہے جو خدا کا دل سے اقرار کرے اور حقیقت میں بھی فطرت اور انسان کی تخلیق کا مقصد ہے کہ انسان خدا کی وحدانیت کا دل سے اقرار کرے۔ اس شعر میں شاعر اللہ تعالی کی عظمت و بڑائی ہے کہ وہ واحد لاشریک کا دل وہ جان سے اقرار کرے، اسے اپنا خالق و مالک تسلیم کرے، اس کے سامنے سر بہ سجود ہو اور فنا فی اللہ کے مرتبے پر فائز ہو یہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

اسے خلاّق نے جوہر کو توانائی دی
پھول پتوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار

تشریح: اس شعر میں شاعر ماہر القادری فرمارہے ہیں کہ وہی خالق ہے جس نے انسان کو وہ مجھ بوجھ عقل و دانش عطا فرمائی جس سے وہ دنیا کی خوبصورتی اور نیکی چھپے ہوئے رازوں کو تلاش کر سکے یہ وہی خالق ہے جس نے پھولوں کو خوبصورت نقش و نگار سے مزین کیا۔

اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نکہت ہو کہ رنگ
اس کی قدرت کے کرشمے ہیں خزاں ہو کہ بہار

تشریح: اس شعر میں شاعر اللہ تعالی کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ خوشی اور کہ خدا کی صنعت گری کا بے مثال مظہر ہیں۔ موسموں کا بدلنا چاہے وہ خزاں ہو یا بہار سب قدرت کے معجزات و کرشمے ہیں، جو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ موسموں کا خیر رنگ و خوش بو، زمین کا ذرہ ذرہ خدائے بزرگ و برتر کی کاریگری کی عمدہ مثالیں ہیں۔

اسی مالک اسی خالق کی ہے سب حمد و ثنا
آب شاروں کا ترنم ہو کہ گلبانگ ہزار

تشریح: اس شعر میں شاعر فرمارہے ہیں کہ وہی مالک ہے اور وہی پیدا کرنے والا ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ان خوبصورت آبشاروں کا ترنم اور ہزاروں چہچہاتے ہوئے پرندے بھی در حقیقت اسی کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ہر شے کو اس کی ضرورت کے مطابق مزین فرمایا ہے۔ ہر ذی شعور اپنے اپنے طریقے سے اس کی حمد و ثناء میں مصروف ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

یہ کڑکتی ہوئی بجلی، یہ گرجتے بادل
یہ سمندر کی تہیں اور یہ پہاڑوں کا اُبھار

تشریح: اس شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ کی بے مثال تخلیق بادلوں کا گرجنا اور بجلی کے کڑکنے کا ذکر کر رہے ہیں کہ یہ حکمت و دانائی صرف مالک برحق ہی کی ہے کہ جس نے اپنی عمدہ و اعلیٰ تخلیقات سے زمین و آسمان کو مزین فرمایا ہے۔ تہہ در تہہ سمندر اور فلک بوس پہاڑ اس کی صنعت کی عمدہ مثالیں ہیں۔ تمام تخلیقات اپنے تخلیق کار کی حمد و ثنا میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔

کبھی گرمی، کبھی سردی، کہیں سایہ، کہیں دھوپ
کہیں جنگل، کہیں گلشن، کہیں ٹیلے، کہیں غار

تشریح: اس شعر میں شاعر موسموں کے تغیر و تبدل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موسم جو کبھی سردی کے روپ میں ہے تو کبھی گرمی کے روپ میں کہیں دُھوپ ہے تو کہیں چھاؤں، موسم کا ہر رنگ ماحول کو خوشگوار بنانے کا سبب بنتا ہے۔ اس دنیا میں کہیں گھنے جنگلات ہیں تو کہیں چمن، کہیں فلک بوس پناہ گاہ ریت کے ٹیلے ہیں تو کہیں فلک بوس پہاڑ کہیں غار پناہ گاہ کی صورت ہیں تو کہیں ہریالی و مرغزار۔ غرض یہ سب متضاد صلاحیتوں کی حامل تخلیقات اپنے صناع گر کی صناعی کی کرشمہ سازی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور رات دن اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔

یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں، ذرا غور سے دیکھ
اس کی پھر حمد بیاں کر، اسی خالق کی پکار

تشریح: اس شعر میں شاعر ابنِ آدم کو دعوت فکر دے رہے ہیں کہ دنیا کی ہر شے ہر ذی روح خدائے بزرگ و برتر کی عمدہ و اعلیٰ صنعت کا نمونہ ہیں۔ اس کی خلاقی کا جوہر ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی روشن آیات میں بیان فرمایا ہے اور بے شک سمجھنے والوں کے لیے ان میں بڑی نشانیاں ہیں، لہٰذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس کی حمد و ثنا کرتے رہیں کہ یہی اس کی بندگی کا تقاضا اور ہماری تخلیق کا مقصد ہے۔

"نعت"

شاعر: اقبال عظیم

سارے نبیوں کے عہدے بڑے ہیں لیکن آقا کا منصب جدا ہے
وہ امام صف انبیاء ہیں، اُن کا رتبہ بڑوں سے بڑا ہے

حوالہ: یہ شعر سال اول کے نصاب "گلزار اُردو کے حصہ نظم میں شامل "نعت" سے لیا گیا ہے۔ اس نعت کو مشہور نعت گو شاعر اقبال عظیم نے لکھا ہے۔

تشریح: اس شعر میں شاعر حضرت محمدؐ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام قابل عزت و احترام ہیں مگر حضرت محمد کا رتبہ سب سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ شاعر نے آپ کے رتبے کو بیان کرتے ہوئے واقعہ معراج کو بہ طور دلیل پیش کیا ہے کہ جب آپ کو معراج عطا ہوئی تو وہاں سے واپسی پر مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی، اس طرح محمدؐ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اور بلند فرمایا۔ بلاشبہ آپ تمام انبیاء کرام میں ارفع و اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ اس شعر میں امام صف انبیاء (واقعہ معراج) صنعت تلمیح کی عمدہ مثال ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

کوئی لفظوں سے کیسے بتادے ان کے رہنے کی حد ہے تو کیا ہے

ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے صرف اللہ ان سے بڑا ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر خوبصورتی اور سادگی کے ساتھ ہی کریم صل اللہ علیہ سلم کا مقام و مرتبہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ان کے مقام و مرتبے کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے بزرگ یہی فرماتے ہیں کہ صرف اللہ کی ذات ہے جو نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو صحیح جانتی ہے اور اس کائنات میں واحد خدا کی ذات ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بزرگ و برتر ہے۔

جو اک شہر نور الہدیٰ ہے، جلوہ گاہوں کا سلسلہ ہے

جس کی ہر صبح شمس الضحیٰ ہے، جس کی ہر شام بدر الدجی ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر حضور اکرم کی نسبت سے مدینہ منورہ کی دلکشی، جاذبیت اور خوب صورتی کو نمایاں کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا شہر ہے جو کی روشنی سے معمور ہے۔ جہاں جلوہ گاہوں اور زیارتوں کا ایسا سلسلہ ہے کہ جن کی بدولت اس شہر کی ہر صبح روشن اور چمک دار ہے جب کہ ہر رات چودھویں کے چاند کی طرح نور ہے۔

کتنا پیارا ہے موسم وہاں کا، کتنی پر کیف ساری فضا ہے

تم میرے ساتھ خود چل کے دیکھو، گردِ طیبہ بھی خاکِ شفا ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر نے مدینے کے پر کیف ماحول کو موضوع بنایا ہے کہ اس شہر کا موم اتنا پر کیف اور سحر انگیز ہے کہ انسان اپنی تمام تکالیف کو بھول کر وہاں کی خوبصورتی محسوس کرتا ہے۔ وہاں کی پر کیف فضا اور دھول مٹی بھی شفا بخش ہے، تم وہاں جا کر دیکھو گے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ شہر، شہر بے نظیر ہے۔

مستقل ان کی چوکھٹ عطا ہو، میرے معبود یہ التجا ہے!

کوئی پوچھے تو یہ کہہ سکوں میں، باب جبرئیل "میرا پتا ہے!

تشریح: اس شعر میں شاعر خدا کے حضور دعا گو ہیں کہ اے خدا! مجھے مستقل حضرت محمد کے گھر کی گدائی نصیب فرمادے اور تاعمر اس سے وابستہ رکھ اور جب کوئی مجھ سے میرا پتا پوچھے تو میں فخر و اعزاز کے ساتھ یہ بتا سکوں کہ میرا پتا مدینہ میں باب جبرئیل ہے اور وہی میرا مستقل ٹھکانہ ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

رہے نام اللہ کا (نظم)

شاعر: نظیر اکبر آبادی

بند نمبر (1)

تشریحات

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا
نے صاحب مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بدانجام رہے گا
شادی، نہ غم گردش ایام رہے گا
نے پیش، نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

حوالہ بند: یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم "رہے نام اللہ کا" سے لیا گیا ہے۔ نظم کلیات نظیر سے ماخوذ ہے۔ یہ نظم دنیا کی بے ثباتی کا مظہر ہے۔

تعارف شاعر: نظیر اکبر آبادی کا اصل نام ولی محمد تھا نظیر آپ کا تخلص تھا، آپ کی پیدائش 1735ء میں ہوئی۔ نظیر اکبر آبادی نے شاعری کے تمام محاسن کو پورے طور پر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان اور اس کی معاشرت کو ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

تشریح: اس بند میں شاعر دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا فانی ہے اس میں چاہے کوئی شخص بہت خاص ہو یا عام، طاقت و اختیار والا ہو یا ناکام اور مجبور، مالدار ہو یا غریب، اچھا انسان ہو یا برا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا اور سب فنا ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ خوشی اور غمی کی کیفیات بھی باقی نہ رہیں گی نہ دنیا کے عیش و آرام اور دکھ درد باقی رہیں گے۔ اگر باقی رہے گا تو صرف اللہ کا نام اور صرف اللہ کی ہی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔

بند نمبر (۲)

یہ چرخ دکھاتا ہے بڑا گنبد ازرق
یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت و مطلق
سب ٹھاٹ یہ اک آن میں ہو جائے گا ہو حق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

تشریح: اس بند میں شاعر نظیر اکبر آبادی فرما رہے ہیں کہ یہ زمین و آسمان اور آسمان میں معلق چاند ستارے وغیرہ اور اس کائنات میں پائی جانے والی ہر بڑی سے بڑی شے اور اس کائنات سے ماوراء بھی جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ذات کے سامنے انتہائی لیتی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ جب اللہ تعالی کا حکم ہو گا اور یہ تمام چیزیں اس کے حکم کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی اور آخر میں صرف اللہ کی ذات ہی باقی رہے گی جو ہمیشہ رہنے والی ذات ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

بند نمبر (۳)

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار
سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آ کے فنا ڈالے گی سر کے اُوپر اک دار
اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے سب پار
نا کر نہ حیلہ، نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

تشریح: اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے تئیں خود کو عیار، چالاک اور طاقتور کہلاتے ہیں دنیا بھر میں مکر و فریب کے ساتھ طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں جب قضا آتی ہے اور موت ان کے سر پر وار کرتی ہے تو یہ ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ ان کا کوئی مکر ان کا کوئی فریب اور ان کی چالاکی ان کے کام میں بس اللہ کا نام رہ جاتا ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

بند نمبر (۴)

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات
یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لکھ کے محلات
کیا پست مکاں، کیا یہ ہوادار مکانات
اک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں بات
دالان، نہ حجرہ، نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

تشریح: اس بند میں شاعر دنیا کی آسائشوں اور پر تعیش عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا میں طرح طرح کی عمارتیں ہیں، کہیں کوئی معمولی جھونپڑی ہے تو کہیں لاکھوں، کروڑوں کے محلات موجود ہیں۔ چھوٹے اور عام مکانات بھی ہیں اور خوبصورت ہوادار گھر بھی۔ لیکن یہ سب عمارات بھی ایک دن ختم ہو جائیں گی اور ان عمارتوں کے در و دیوار ہی نہیں ہر شے فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ کا نام باقی رہے گا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

بند نمبر (۵)

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جاہیں رہے پھول
یہ شاخ، یہ سینچے، یہ ہرے پات، یہ پھل پھول
آجاوے گی جب باد خزاں ان کے اُپر پھول
ہر خار کی، ہر پھول کی، اُڑ جاوے گی سب دھول
نے زرد، نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

تشریح: اس بند میں شاعر باغ و چمن کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ یہ جو جگہ جگہ باغ نظر آتے ہیں اور ان میں رنگا رنگ پھول، ہری بھری شاخیں اور خوب صورت پتے ہمارے دلوں کو محور کرتے ہیں یہ تب تک ہیں جب تک بہار ہے یعنی زندگی ہے، کیونکہ ایک دن ان سب پر خزاں کا موسم ٹھہر جائے گا اور یہ باغ کی ساری خوش نمائی اور خوبصورتی اور رنگا رنگ پھولوں کی رعنائی اور مہک اس طرح ختم ہو جائے گی جیسے بھی تھی ہی نہیں۔ اور صرف اللہ کا نام اور اس کی ذات باقی رہے گی۔

بند نمبر (۶)

یہ شعر و غزل آپ جو بناتے ہیں زبانی
آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی
کچھ باقی نظیر اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا

تشریح: یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کا آخری بند ہے۔ نظیر اس بند میں اپنی شاعری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ جو شاعری کرتے ہیں جس میں ان کا دیوان، قصے، کہانیاں یا شاعری کی مروجہ اقسام شعر، غزل خمسہ، فرد، ایہام وغیرہ، سب بالآخر فنا ہو جائیں گی اور آخر میں صرف ایک اللہ کا نام ہی باقی رہے گا جو ہمیشہ باقی رہنے والی ذات ہے۔

Prof Mukhtar Ahmed

داستان تیاری میں باغ کی

(ماخوز از: سحر البیان (مثنوی)

شاعر: میر حسن

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ

حوالہ: اس مثنوی کے خالق میر حسن ہیں۔ میر حسن کا اصلی نام غلام حسین تھا۔ میر حسن 1727ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مثنوی "سحر البیان" آپ کی شاہ کار مثنوی ہے اس کے علاوہ بھی آپ نے دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ یہ شعر ہمارے نصاب میں شامل اُردو کی کتاب "گلزارِ اُردو" سے لیا گیا ہے۔

تشریح: اس شعر میں شاعر بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنے بیٹے شہزادے بے نظیر کے لیے ایک ایسا باغ تیار کیا کہ جسکو دیکھنے کے بعد پھول اور پردے بھی رشک وحسد کی آگ میں جلنے لگے اور سوچنے لگے کہ ہم اس باغ کا حصہ کیوں نہیں۔

عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان
گئے جس میں زر بافت کے سائبان

تشریح: حسین عمارت خوب صورتی میں بے مثال تھی، جس کے دروازوں پر قیمتی ترین زریات کے سائبان لگے ہوئے تھے جن میں چاندی کے تار جھلملا رہے۔

چلیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

تشریح: دروازوں پر جو چتیں اور پردے لگے تھے وہ بھی سونے چاندی کے تاروں سے مزین تھے۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ان دروازوں پر موسم بہا باندھے کھڑا ہے۔

کوئی اور سے در پر اٹکا ہوا
کوئی زہ پر خوبی سے لٹکا ہوا

تشریح: کوئی پردہ ڈور کے ساتھ چوکھٹ پر لٹکایا گیا تھا اور کوئی نفاست سے کیل پر انکا ہوا تھا اور خوب صورت نظر آ رہا تھا۔

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بہ سر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

تشریح: ان پردوں پر جگہ جگہ چاندی کے تاروں کی ڈوریاں جھلملا رہی تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بہت سے چاند چمک رہے ہیں۔

وہ مخمل کا فرش اس میں ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

تشریح: اس باغ کی زمین پر مخمل کا قیمتی فرش (قالین) بچھایا گیا تھا کہ دیکھنے والا یقین کرلے کہ اس سے خوبصورت نظارہ نہیں دیکھ سکے گا یعنی اس کی ہوس کا خاتمہ ہو گیا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

"یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر"(مرثیہ)

شاعر: میر انیسؔ

بند نمبر (1)

یارب ! چمن نظم کو گلزار ارم کر
توفیض کا میدا ہے توجہ کوئی دم کر
اے اور کرم !خشک زراعت پر کرم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

حوالہ شاعر: مندرجہ بالا بند ہماری اردو کی کتاب میں شامل نظم (مرثیہ) "یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے شاعر میر انیس ہیں۔ جنہیں اردو کا سب سے بڑا مرثیہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس بند میں میر انیس اللہ تبارک و تعالی سے اپنے زور قلم میں خیر و برکت کی دعا مانگ رہے ہیں شاعر کہتے ہیں کہ رب تو میری شعر گوئی کو جنت کے باغوں کی طرح پھلتا پھولا کر دے۔ میں خشک زراعت کی مانند ہو اپنے ابر کرم سے میری شاعری کو ترک کر دے میں گوشہ نشین اور گمنام ہوں تو میرا نام معتبر لوگوں میں شامل کر۔ جب تک یہ چاند ستارے ہاتی ہیں شاعری کا تاج میرے سر پر ہے۔

بند نمبر (۲)

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تیری شکر گزاری
ہر محل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

تشریح: اس بند میں میر انیس اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کا فیض اس کائنات میں ہر جگہ موجود ہے پھل دار درخت ہو یا بلبل کی زباں سے اللہ تعالی کی شکر گزاری۔ یہ تمام کام اللہ تعالی کے فیض سے ہی جاری ہیں۔ شاعر فرمارہے ہیں کہ اے میرے رب! جب تمام چیزوں پر تیرا فیض جاری ہے تو ہماری ریاضت یا محنت کا بھی ہمیں پھل عطا فرما۔ نیک لوگوں کو وہ پھول عنایت فرما جن پھولوں کی خوشبو کو کسی بلبل نے نہ سونگھا ہو۔

Prof.Mukhtar Ahmed

بند نمبر (۳)

خواص طبیعت کو عطا کر وہ لالی
اک ایک لڑی تعلیم ثریا سے ہو عالی
ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
عالم کی نگاہوں میں گرے قطب شمالی
سب ہوں دُر یکتانہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ سے

تشریح: اس بند میں شاعر اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں کہ میں شاعری کے سمندر میں ایک غوطہ خور کی مانند میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اس سمندر سے وہ قیمتی پتھر عطا کر جو عرشِ اعلیٰ کے تاج میں مزین ہو سکیں۔ میری ہر نظم میرا ہر شعر ریا کی مانند آسمان کی بلندیوں پر جگمگاتا رہے اور دوسرے ستاروں کا زور میرے سامنے ٹوٹ جائے۔ میرے تمام اشعار ایسے بے مثل اور قیمی نگینوں کی مانند ہوں جن کا تعلق صرف نبی اور آل نبی سے ہو۔

بند نمبر (۴)

بھر دے دُرِ مقصود سے اس درج وہاں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زبان کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسین کا سادات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کان ملاحت وہ نمک ہو

تشریح: اس بند میں شاعر اللہ تعالیٰ سے فرمارہے ہیں کہ میرے منہ کو قیمتی پتھروں سے بھر دے یہاں قیمتی پتھروں سے منہ بھرنے سے مراد ان کی زبان میں تاثیر ہے شاعر فرماتے ہیں کہ انہیں ایسا انداز عطا کر جس کا لوگوں کے دلوں میں اثر ہو۔ ان کے الفاظ میں ایسا حسن ہو کہ فصاحت خود آپ ان کی عاشق ہو جائے۔ شاعر دعا فرمارہے ہیں کہ ان کے اشعار پر ایسی داد ملے کہ سمندر کی تہ میں مچھلیوں سے لے کر آسمان کے ستاروں تک سب داد دینے والوں میں شامل ہو جائیں میرے شعر سننے والا ہر کان اشعار کے سوز سے جل جائے۔

بند نمبر (۵)

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

Prof. Mukhtar Ahmed

تشریح: اس بند میں میر انیس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے شاعری میں اتنا عبور دے کہ میں اگر چشمہ کی تعریف کرنے پر آؤں تو اسے سمندر کے برابر لا کھڑا کروں کسی معمولی ذرے کی چمک کو چمکتے ہوئے سورج کے برابر دکھا سکوں۔ کسی معمولی قطرے کو اگر بڑھا چڑھا کر بیان کروں تو اس کی خوبصورتی کو قیمتی گوہر سے ملا دوں۔ اور اگر کانٹوں کی بھی تعریف کروں تو انہیں تازہ پھولوں کی مانند نرم و نازک ٹھہرا دوں۔ میر انیس کہتے ہیں کہ مجھے حسن بیان میں ایسی قدرت اور وسعت عطا فرما کہ میں ایک ہی خیال یا موضوع کو کئی رنگوں میں ڈھال سکوں۔

چپ کی داد

شاعر: مولانا الطاف حسین حالیؔ

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو، دنیا کی زینت تم سے ہے

ملکوں کی بستی ہو تمہی، قوموں کی عزت تم سے ہے

حوالہ: یہ شعر ہماری اردو کی کتاب کی نظم "چپ کی داد" سے لیا گیا ہے۔ جس کے شاعر مولانا الطاف حسین حالی ہیں۔ حالی اردو کے پہلے قومی شاعر ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کے پہلے نقاد اور سوانح نگار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ حالی نے قومی نظموں میں بڑی مہارت سے قوم کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔

تشریح: اس شعر میں شاعر قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دنیا کی رونق و خوب صورتی تمھاری ہی وجہ سے ہے۔ اور تمھاری وجہ خود کو سے ہی قوموں کی عزت ہوتی ہے۔ تمھارے بغیر بستیاں ویران اور بے رونق ہیں۔ اس لیے خود کو پہچانیں اور قوم کی ترقی کے لیے آگے بڑھیں۔

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں

غم گیں دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر فرماتے ہیں۔ بہنوں اور بیٹیوں کو گھر کی شہزادیوں سے تعبیر کیا ہے اور کہتے ہیں۔ کہ بہنیں اور بیٹیاں گھر کی رونق ہوتی ہیں اگر انسان غمگین یا افسردہ ہے تو یہی رونق اسے گھر میں خوش و خرم اور دلشاد کھتی ہے اور خوشی اور غم میں مونس و دمساز رہتی ہیں۔

تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن

ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر فرماتے ہیں انسان دیس میں ہو یا پردیس میں اگر اس کے گھر کی رونقیں اس کی مائیں بہنیں بیٹیاں اس کے ساتھ ہیں تو پردیس بھی دیس کی طرح ہوتا ہے اور اگر یہ رونق اس کے گھر میں نہیں تو انسان اپنے دیس میں بھی بیگانہ یا غریب الوطن ہوتا ہے۔

نیکی کی تم تصویر ہو عفت کی تم تدبیر ہو

ہو دین کی تم پاسباں، ایمان سلامت تم سے ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر فرما رہے ہیں کہ عورتیں مردوں کی طرح دین کی پاسباں ہیں۔ عورتیں عفت اور شرم و حیا کا پیکر ہیں۔ یہاں تک کہ ایمان کی سلامتی کا دارومدار بھی عورتوں پر ہے عورتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نسل کی ایسی تربیت کریں جو آنے والے وقتوں میں دین کے پاسبان بنیں۔

Prof.Mukhtar Ahmed

فطرت تمھاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا

گُھٹی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر فرما رہے ہیں کہ عورتوں کی فطرت میں شرم حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے ہے ساتھ ساتھ یہی عورتیں دکھ درد کی ساتھی اور رفیق دوساز ہوتی ہیں یہ سخت سے سخت حالات میں بھی صبر آزما رہتی ہیں اور انسانی معاشرے کا دارومدار انہی عورتوں کے دم سے ہے۔

مونس ہو خاوندوں کی تم، غم خوار فرزندوں کی

تم بن ہے گھر ویران سب، گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تشریح: ہمارے معاشرے میں خاندانی نظام کو مضبوط اور محکم رکھنے میں خواتین کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عورتیں اپنے خاوندوں سے الفت اور انسیت رکھتی ہیں۔ یہ اپنی ساری دیکھ بھال اور ان کی پرورش اور غم خواری کرتی ہیں اگر یہ نہ ہوں تو گھر ویران اور بے برکت ہو کر رہ جائے گا۔

تم آس ہو بیمار کی، ڈھارس ہو تم بے کار کی

دولت ہو تم نادار کی، عسرت میں عشرت تم سے ہے

تشریح: اس شعر میں شاعر فرما رہے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورتوں کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ بیماروں کی تیمارداری کر سکیں یہی سبب ہے کہ عورتیں گھروں میں والدین کی دیکھ بھال اور ضعیفوں کی تیمارداری جس احسن طریقے سے کرتی ہیں اس کا کوئی مول نہیں۔ جو لوگ مفلس و نادار ہوتے ہیں یہی عورتیں ان کا ہاتھ بن کر ان کی تاداری میں مدد کرتی ہیں حقیقت میں تنگدستی میں برکت انہیں عورتوں کے سبب ہے۔

مردِ مسلمان

شاعر: علامہ اقبال

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن

گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان

حوالہ: علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال کا شمار ان چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے شاعری کے ذریعے مردہ روحوں میں نئی روح پھونک کر ایک عظیم ذہنی انقلاب پیدا کیا۔ انھیں شاعرِ مشرق کہا جاتا ہے۔ وہ پاکستان کے قومی شاعر بھی ہیں۔

یہ شعر ہمارے نصاب میں شامل اُردو کی کتاب "گلزارِ اُردو کے حصہ نظم میں شامل نظم "مردِ مسلمان" سے لیا گیا ہے۔

تشریح: مرد مومن کی صفت یہ ہے وہ ایک خاص شان و شوکت کا حامل ہوتا ہے وہ ہر لحہ ایک نئی شان ایک نئے شکوہ اور ایک نئے اکرام کی صورت میں ہوتا ہے۔ وہ ایک جامدے کی طرح منجمد نہں ہوتا کہ ایک حالپر ٹھہرا رہے۔ بلکہ ہر لمحہ ایک نئی شان کی صورت میں نمودار ہوتا ہے جو کہ دیدہ زیب ہوتی ہے۔ اس کی گفتگو سنیں یا اس کا مل جاندے صورت میں دیکھی تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی جت، دلیل اور نشانی کے طور پر اسے ملی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مردم کو دکھ کر پتہ چلا ہے کہ کوئی الہی کی ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

تشریح: مسلمان کے اجزائے ترکیبی کی تعداد چار ہے۔ پہلا جز قہاری، یعنی اس میں ایسی ہیبت ایسی قوت ہوتی ہے کہ مخالف لرز اٹھتا ہے یہ شانِ مومن کے رعب اور دبدبے کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسرا جز غفاری ہے وہ دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور رحم کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔۔ تیسرا جز وقدوی ہے اس کی سیرت میں، اس کے عمل میں اس کی گفتار میں اور اس کی حرکات وسکنات میں فرشتوں جیسی پاکیزگی ہوتی ہے یعنی اس کے پاکیزہ وجود سے صرف عمل صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ اور چوتھا جز اس میں جبروتی ہوتا ہے۔ یعنی عظمت، جلال اور شکوہ میں سب پر فوقیت رکھتا ہے یعنی وقت پڑنے پر وقت مضبوط ترین چٹان سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ایک شخص ایمان تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر لا سکتا ہے لیکن عملاوہ مسلمان اور مومن اس وقت بنتا ہے جب اس میں مذکورہ بالا چار عناصر موجود ہوں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ مومن بظاہر تو قرآن پڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وخود قرآن ہوتا ہے کیونکہ وہ کتب صف پڑھتا ہیں بلکہ اس کی آیات پر مل کر دی کے سچا کردار بن جاتا ہے اس طرح وہ خود چلتا پھرتا قرآن بن جاتا ہے۔ اور یہ اصلی مرد مومن کا عظیم راز ہے۔

قدرت کے مقاصد کا عیار اُس کے ارادے

دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

تشریح: اس شعر میں علامہ اقبال ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن قدرت کے مقاصد اور ارادوں کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی خدا کے بتائے ہوئے احکام اور اصولوں کے مطابق گزارتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا میں کیے ہوئے نیک کاموں پر اس دنیا میں اجر ملے گا اور غلطی پر سزا۔ اللہ تعالی دنیا میں بھی اس کے کیے ہوئے عمل کے مطابق اجر دے گا۔ یہاں بھی اللہ نے عدل کا نظام قائم کیا ہوا ہے اور اسی طرح آخرت میں اللہ تعالی میزان قائم کریں گے، جہاں ہمارے اعمال کے مطابق جنت اور دوزخ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان

تشریح: اس شعر میں شاعر مؤمن کے رویے کا ذکر جو وہ اپنے مقابل کے ساتھ روا رکھتا ہے، وبیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مومن اپنے دوست وساتھی، کمزور و مظلوم اور بے کس و مجبور کے لی ٹیم کی مانہ ٹھنڈک بہم پہنچانے والا ہے۔ جس طرح شبنم پھولوں کو ٹھنڈک اور تازگی فراہم کرتی ہے اسی طرح مرد مسلمان کا وجود اپنے ساتھیوں کے لیے راحت وسکون کا باعث ہے، مگر یہی دشمن کے لیے ایسا طوفان بن جاتے ہیں کہ اس کی دہشت سے دریا د پہاڑ تک لرز اٹھتے ہیں۔

Prof. Mukhtar Ahmed

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفتِ سورۂ رحمٰن

تشریح: اس شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مومن کے رات دن میں فطرت کی نغمگی موجود ہے۔ جس طرح سورہ رحمٰن جسے عروس القرآن کہا جاتا ہے اپنی صوتی آہنگ اور دل آویزی میں کتا ہے اسی طرح مومن کی زندگی کے شب و روز میں بھی ایک خاص آہنگ اور ترتیب موجود ہے، جو اس کی زندگی کو با مقصد اور خوبصورت بناتی ہے۔

بنتے ہیں میری کارگہِ فکر میں انجم

لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

تشریح: اس شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میری سوچ اور فکر جو کہ شاعری کی صورت میں تاروں کی اندر مولی کی طرف رہنمائی کر رہی ہے، اس سے اپنی منزل کی راہ متعین کرو اور زندگی کو عمل سے عمل انجم بلند و منور کرو۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری شاعری میں موجود حقیقی پیغام کو سمجھو اور اپنی محنت و ہمت سے اپنے مقدر کو تابناک بنانے کی سعی کرو۔

غزل(1)

شاعر: خواجہ میر درد

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

حوالہ: خواجہ میر نام اور دردؔ تخلص تھا۔ آپ 1720ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، خواجہ میر درد نے اُردو شاعری میں سب سے پہلے صوفیانہ خیالات سے آشنا کروایا اسی لیے وہ اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر کہلاتے ہیں ان کے ہاں غزلوں میں عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی کا بیان زیادہ ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں ان کے ہاں غزلوں میں عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی کا بیان زیادہ ہے۔ یہ شعر بھی عشق حقیقی پر ہے اور اس شعر میں شاعر اللہ تعالی کی عظمت و بلندی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ تو زمین و آسماں کا مالک ہے اور تیری صفات اس قدر ہیں کہ ان کا بیان ممکن نہیں، تیری بزرگی، تیری بڑائی اور تیری لا محدود صفات کو بیان کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ تقدیر اور قسمت کے معاملات بھی اے اللہ بس تیرے اختیار میں ہیں۔ اور تو ہی ساری کائنات کا اکیلا خالق و مالک ہے۔

جس مسندِ عزت پر کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

تشریح: یہ شعر بھی عشق حقیقی کا ہے یہاں بھی شاعر اللہ تعلی کی بڑائی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ تیر مقام و مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ جس کے متعلق سوچنا بھی محال ہے۔ اور عقل و شعور رکھنے والے بھی تیری بلندی، تیری عظمت اور تیری بزرگی کے حقیقی مرتبے سے ناواقف ہیں۔ کیوں کہ جہاں ہم انسانوں کی عقل ختم ہوتی ہے، تیری۔ عظمت و بلندی اس سے کہیں زیادہ ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن

آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

تشریح: اس شعر میں شاعر دنیا کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو تخلیق کیا اور انسانوں کو مختلف قوموں، مذہبوں اور علاقوں میں تقسیم کر دیا۔ اب دنیا میں مسلمان بھی آباد ہیں جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف ایسے مذاہب بھی ہیں جہاں ایک سے زیادہ خداؤں کی عبادت کی جاتی۔ ہے۔ یہاں شاعر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ دیگر مذاہب اپنے اپنے انداز میں اپنے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں لیکن در حقیقت وہ صرف اور صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہوں یا غیر مسلموں کی ہر جگہ صرف تیری عظمت و بلندی بیان کی جاتی ہے اور یہ مساجد، منادر اور گرجے وغیرہ تیری ہی طرف رجوع کے لیے ہیں۔

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا

اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے کرم کا

تشریح: اس شعر میں شاعر انسانی دل کی کیفیت کے متعلق بیان کرتے ہوئے اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ مجھے کسی قسم کا خوف ہے تو وہ صرف تیرے قہر و غضب کا ہے کیوں کہ اگر میں تیرے نافرمان بندوں میں شامل ہو جاؤں تو تیرے قہر و غضب کی تاب نہ لا سکوں گا۔ مجھے صرف تیری رحمت کا آسرا ہے کیوں کہ تو بڑا رحیم و کریم ہے۔ تیری رحمت کا سمندر میری خطاؤں سے بہت زیادہ بڑا ہے۔ بے شک میرے دل کو تجھ پر یقین ہے اور تیرا رحم و کرم ہر چیز پر غالب ہے۔

مانند حُباب آنکھ تو اے دردؔ کھلی تھی

کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

تشریح: غزل کے مقطعے میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا عارضی ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی حقیقت پانی کے بلبلے کی طرح مختصر اور ناپائیدار ہے۔ دنیا کے اس سمندر میں انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ یہ فنا ہو جانے والی ہے۔ دنیا میں ایک عارضی قیام کے بعد ہر ذی روح کو فنا کا جام پینا ہے۔ اس عارضی قیام گاہ کو چھوڑ کر اگلی منزل کی جانب عازم سفر ہوتا ہے، کیوں کہ یہ ہی زندگی کی حقیقت ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

غزل(2)

شاعر:خواجہ میر درد

ارض وسماں کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

تشریح:خواجہ میر درد اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں ان کے ہاں غزلوں میں عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی کا بیان زیادہ ہے۔ یہاں بھی وہ غزل کے سے الگ خدا سے ہو کر کی ہیں۔ روایتی مزاج سے الگ خدا سے مخاطب ہو کر انسانوں کے اشرف المخلوقات ہونے کی عظمت کو بیان کر رہے ہیں۔ کہ زمین اور آسمان تیری عظمت وبڑائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اے اللہ تو نے اس کائنات میں اپنی خلاقی سے ایسی ایسی مخلوقات اور چیزوں کو تخلیق کیا ہے کہ جن کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے اور تیرا خاص کرم اور عنایت ہے کہ تو نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا اور اپنی رحمت سے اسے کائنات کے اسرار ورموز سے بھی آگاہ کیا۔ اب یہ تیرا کرم ہی ہے کہ تیری عطا کردہ توفیق سے ہم تیری عظمت وبلندی اور صفات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس شعر میں ایک روایتی تلی بھی موجود ہے۔ روایت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی تو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنانے کے لیے اپنی تمام تخلیقات میں سے زمین اور آسمان کو بلایا اور انھیں دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب بننے کا کہا تو زمین اور آسمان نے اللہ کی خلافت کا بار اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنانے کی پیش کش کی تو انسان نے خوشی کے ساتھ یہ بار عظیم قبول کر لیا۔

وحدت میں تیری حرف نہ دوئی کا آسکے
آئینہ کیا مجال! تجھے منہ دکھا سکے

تشریح:اس شعر میں شاعر الہ تعالی کی یکتائی اور وحدانیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ تیرے جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ تصور ہی محال ہے کہ کوئی تیرے جیسا ہو سکتا ہے۔ تیری عظمت تو یہ ہے کہ آئینہ جو ہر شے کا عکس دکھاتا ہے وہ بھی تیرا عکس بنانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ تو واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور ہمیشہ سے تھا، ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تیری یکتائی اور کبریائی کی برابری کرنا ناممکن ہے۔

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

تشریح:اس شعر میں عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کیفیات موجود ہیں۔ عشق حقیقی سے دیکھیں تو یہاں شاعر واعظ اور ناصح سے مخاطب ہیں کہ تم اپنی عبادت کے زعم میں سمجھتے ہو کہ خدا کے قریب ہو اور تمھارے ذریعے ہی خدا کی بارگاہ میں رسائی ہو سکتی ہے تو تم غلط کہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب تو اس کی عطا کردہ توفیق سے ہے۔ جو انسان بھی دل سے اللہ کے قرب کا خواہش مند ہو گا اللہ تعالی ضرور اسے اپنے قریب کر لے گا۔ اللہ کا پیغام اگر دل میں اتر جائے تو اسے اور کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ عشق مجازی کے لحاظ سے دیکھیں تو شاعر محبوب کا پیغام پہنچانے والے قاصد سے مخاطب ہیں کہ تو میرے محبوب کا پیغام تو لے کر آیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اس نے اس خط میں اپنے دل کا حال نہیں لکھا ہو گا کہ کہیں تو میرے محبوب کے حال دل سے آگاہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس کے حال دل نہ لکھنے کے باوجود میں اس کی دلی کیفیت سے اچھی طرح واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ کیا پیغام دینا چاہتا ہے۔ کیوں کہ میرا دل میرے محبوب کی کیفیات سے ہر لمحہ باخبر رہتا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

غافل! خدا کی یاد پہ مت پھول زینہار

اپنے تئیں بھلادے اگر تو بھلاسکے

تشریح: اس شعر میں شاعر عبادت کے تکبّر میں مبتلا لوگوں کو غافل کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور انھیں غرور کرنے سے منع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ غافل دکھاوے کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی روح سے واقف نہیں ہیں۔ شاعر کے نزدیک عبادت پر فخر کرنے والے غافل ہیں۔ عبادت کی معراج تو یہ ہے کہ انسان فنافی اللہ ہو جائے یعنی اپنی ذات کو اس ہستی میں گم کردے جو عبادت کے لائق ہے۔

گو بحث کرکے بات بنائی تو کیا حصول

دل سے اُٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

تشریح: اس شعر میں شاعر اللہ کی محبت و عشق کی کیفیت کو دلیل اور منطق سے ماورا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اپنی کم عقلی کی بناء پر کسی سے بحث کرکے خدا اور مذہب اسلام کو اسلام کو سمجھایا تو یہ صرف استدلال کی جیت ہوگی۔ اگر خدا کی حقیقی عظمت اور بڑائی کو منوانا ہے تو اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا اور اپنے دل کو حسد، بغض، کینہ، کدورت اور غفلت کی گرد سے پاک کرنا ہوگا تاکہ انسان اللہ کے مقام و مرتبے اور مذہب اسلام کی حقیقت سے صحیح معنوں میں آشنا ہو سکے۔ تب ہی وہ اس قابل ہو۔ قابل ہو سکے گا کہ دوسروں کے دل پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے کو چاک کر سکے۔

غزل(1)

شاعر: میر تقی میر

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری

نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

حوالہ: یہ شعر ہماری اردو کی کتاب "گلزار اردو سے لیا گیا ہے۔ اس شعر کے خالق اردو کے مشہور شاعر خدائے سخن میر تقی میر ہیں۔ محبت رکھتا ہو اور میرے جذبات و احساسات سے واقف ہو۔ اس احساس نے میر صاحب کی زندگی میں مایوسی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

تشریح: میر تقی میر اردو ادب میں رنج و الم کے شاعر کے طور پر مشہور ہیں۔ ان کی زندگی کی مشکلات اور مصائب نے ان کی شاعری میں دکھ درد کی کیفیت پیدا کر دی۔ یہ غزل بھی ان کے اسی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ میر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میں اپنے دل کی اصل کیفیت کو کبھی بیان نہیں کر سکا۔ جو میرا حال سب کے سامنے ہے اس کے علاوہ بھی میرے دل میں بہت کچھ ہے جسے میں کبھی بیان نہیں کر سکا اور مزید بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص میری زندگی میں نہیں ہے جو میرے دل کی زبان کو سمجھتا ہو، مجھ سے کلام کرتا ہو۔

بہ رنگ صوتِ جرس تجھ سے دور ہوں تنہا

خبر نہیں ہے تجھے آہ، کارواں میری

تشریح: اس شعر میں میر صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح قافلوں میں گھنٹی کی آواز سے ایک دوسرے کی خبر ہوتی ہے، اور اس گھنٹی کی آواز سے تمام قافلے والے متوجہ ہے۔ آج میں اپنے محبوب سے دور ہوں اور میرا دل قافلے کی گھنٹی کی آواز بن کر اپنے محبوب (کارواں) کو پکار رہا ہو جاتے ہیں۔ میرے دل کی حالت بالکل اسی طرح کی ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ میرا محبوب میری طرف متوجہ نہیں ہوتا اور میری تنہائی کا اختتام بھی نہیں ہو رہا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

اُسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا

گئی یہ عمر عزیز آہ! رائیگاں میری

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنی زندگی کی ناکامیوں کی داستان کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ افسوس کی بات ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔ مزید کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا یعنی اللہ تعالی کی بندگی لیکن میں دنیا کی لذتوں میں گرفتار رہا اور گناہوں میں مبتلا رہا۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی ضائع ہو گئی۔ کیوں کہ اب تو زندگی کا اختتام قریب ہے اور سوائے افسوس کے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں بین السطور یہ پیغام بھی یہ ہے کہ ہمیں زندگی کے ان لمحات کو بیکار سمجھنے کی بجائے نہیں اللہ تعالی اور نبی کریم کے احکامات کے مطابق گزارنا چاہیے تاکہ ہم بھی بعد میں کس قسم کی ندامت سے بچ سکیں۔

اس شعر کا ایک مفہوم عشق مجازی سے بھی بنتا ہے۔ شاعر یہاں اپنے محبوب کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد محبوب کی قربت و محبت تھی لیکن وہ ساری زندگی محبت میں ناکام رہے اور محبوب ان سے دور رہا۔ اور اب مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میری زندگی تو بالکل ضائع ہو گئی۔

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا

گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے دوست کی جدائی پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں تمہاری جدائی میں پریشان حال ہوں اور مختلف خیالات مجھے گھیرے رکھتے ہیں، میرا ذہن و دل وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے کہ یہ وقتی ناراضی مستقل ناراضی کا روپ نہ دھارے۔ یہ عارضی جدائی کہیں ہمیشہ کی جدائی میں تبدیل نہ ہو جائے۔ تیرا خیال مجھے ہر لمحے بھٹکائے ہوئے ہے اور میں ایک مسلسل ذہنی کرب و اذیت سے دوچار ہوں۔

دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ

پڑی جہاں میں جا کر نظر جہاں میری

تشریح: اس شعر میں شاعر معبود حقیقی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اُسی خدائے بزرگ و برتر وحدہ لاشریک کا پرتو ہے۔ انسانی نگاہ کی رسائی زمین و آسمان کی وسعتوں میں جہاں تک ممکن ہے اسے ہر شے میں خدا ہی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ یہ پوری کائنات ہی دراصل اللہ کے وجود کا مظہر ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

غزل(2)

شاعر: میر تقی میر

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا

خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

تشریح: اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ کائنات میں جتنا بھی نور ہے وہ اس کے حسن سے لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سورج میں جو نور ہے وہ بھی اس کے حسن کا ذرہ ہے۔ یا دوسرا مطلب اس شعر کا یہ بھی بنتا ہے کہ اس دنیا میں جتنی بھی خوبصورتی اور رنگینیاں ہیں وہ فقط اس کے حسن کے شامل ہونے کی وجہ سے ہیں اور دوسرے مصرعے میں سورج کی مثال دے کر اس کی دلیل دی گئی ہے۔ میر اس شعر میں خدائے لاشریک کی تعریف کر رہے ہیں۔ اس شعر میں اس ہی سے مراد اللہ پاک کی ذات ہے۔

مُنعم کے پاس قاقُم وسنجاب تھا تو کیا؟

اُس رند کی بھی رات گزر گئی جو عُور تھا

تشریح: میر اس شعر میں وقت کا فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ وقت چاہے اچھا ہو یا برا، خوشی کا ہو یا غم کا سختی کا ہو یا آرام کا آخر گزر ہی جاتا ہے۔ لفظی مطلب شعر کا یہ بنتا ہے کہ کسی امیر آدمی کے پاس ایسا لباس ہو کہ جو بہت قیمتی اور محفوظ ہو یا کوئی ایسا مست فقیر ہو جو بے لباس ہو، آخر دونوں کی رات گزر ہی جاتی ہے۔ اس لیے دنیاوی آسائشوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ہمیں زندگی کے حقیقی مقصد کو پہچان کر اس کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

کل پاؤں ایک کاسئہ سر پر جو آ گیا

یک سر وہ اُستخوان شکستوں سے چور تھا

تشریح: اس شعر میں شاعر دنیا کی اصلیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان غرور و تکبر کا لبادہ اوڑھے پیوند خاک ہو جاتا ہے۔ وہ جو کل دوسروں پر حاکمیت جتایا کرتے تھے آج مرنے کے بعد لوگوں کی ٹھوکروں کی زد پر ہیں۔ انسانی ڈھانچہ محض استعارہ ہے، یہاں مراد ہر شے کے فنا ہو جانے اور مٹی میں ملنے کے ہیں۔ ہر تکبر کا خاک ہو جانا ہی زندگی کی حقیقت ہے۔

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر!

میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

تشریح: اس شعر میں شاعر کا مخاطب غافل انسان ہیں۔ میرؔ کہتے ہیں کہ انسان بے خبری میں کبھی کی نہ کبھی غرور و تکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسے کبھی زوال نہ آئے گا، مگر یہ دنیا عارضی ہے یہاں اس جیسے کتنے آئے اور چلے گئے اور اپنے تمام غرور و تکبر کے ساتھ مٹی کی نذر ہو گئے۔ یہ بات تمام انسانوں کے لیے مقام عبرت ہے۔

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمی میں میرؔ

سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

تشریح: اس شعر میں میر تقی میرؔ اپنے محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا حسن تو حوروں سے بھی بڑھ کر ہے کہ حور تو خود اس جیسے حسن کی خواہاں و متمنی ہیں، مگر ہم اس کی خوبصورتی کو نہ سمجھ سکے۔ جس میں قصور ہماری کم عقلی اور کم نہیں کا تھا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

غزل(1)

شاعر: خواجہ حیدر علی آتش

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

حوالہ: یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے آتش دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔ آپ کی شاعری میں لکھنوی تصنع اور بناوٹ کے ساتھ ساتھ دہلی کی سادہ گوئی کا رنگ بھی جھلکتا تھا یہی وجہ ہے کہ خواجہ حیدر علی آتش کو ناقدین نے غزل کا ایک مکمل شاعر شمار کیا ہے۔

تشریح: آتش اس شعر میں غالباحاکم وقت سے مخاطب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی طاقتور انسان کو اپنے بارے میں جاننا ہے تو دیکھے کہ مخلوق اس کے پیچھے اس کا ذکر کن الفاظ میں کرتی ہے۔ حاکم کے سامنے رعایا کی مجال نہیں کہ وہ اس کے فیصلوں پر اعتراض کر سکیں۔ دوسرا یہ کہ طاقتور لوگوں کے درمیان ہمیشہ چاپلوسوں کا مجمع لگا رہتا ہے جو ان کے غلط فیصلوں پر بھی داد دیتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں اگر کس کو پرکھنا ہے تو دیکھا جائے کہ خلق خدا اس کے بارے میں غائبانہ کیا خیالات رکھتی ہے۔

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بہ کف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا؟

تشریح: یہ شعر حسن تعلیل کی عمدہ مثالوں میں سے ہے۔ حسن تعلیل میں شاعر کسی بات کی حقیقی وجہ بیان کرنے کی بجائے شاعرانہ توجیہ پیش کرتا ہے جو حقیقت تو نہیں ہوتی لیکن خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ اس شعر میں تلمیح بھی ہے۔ قارون ایسا بادشاہ تھا جس کے پاس بہت بڑا خزانہ تھا جسے وہ قافلے کی صورت میں ساتھ لے کر چلتا تھا اور خدا کے حکم سے وہ اپنے خزانے کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو گیا۔ شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ پھولوں کے اندر جو سنہرے زیرہ دانے ہوتے ہیں اور دسکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ دراصل اس خزانے کا حصہ ہیں جو کسی زمانے میں قارون بادشاہ کے ساتھ ہی زمین میں غرق ہو گئے تھے۔ اور اب وہ پھولوں کے ساتھ آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا!

تشریح: شاعر کہتے ہیں کہ زندگی ایک گھوڑے کی مانند ہے جس کے سامنے اس کی منزل ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اس کے لیے اسے کسی چابک یا مار کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں دراصل شاعر زندگی کے مختصر اور فانی ہونے کو بیان کر رہے ہیں کہ زندگی کی اصل منزل موت ہے اور وہ اس کی جانب خوشی سے گامزن ہے۔ یہ ایک انسانی کیفیت بھی ہے اگر ہمارے سامنے ہماری منزل ہو تو ہم خوشی کے ساتھ اسے پانے کے لیے تیزی سے اس کی جانب گامزن ہوں گے اور اس کے لیے کسی کی مدد، رہنمائی حتیٰ کہ حوصلہ افزائی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کریں گے۔ اس شعر میں بھی شاعر نے انسان کی اسی کیفیت کو دوسرے انداز میں بیان کیا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

طبل و علم ہے پاس نہ اپنے ہے ملک و مال

ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا!

تشریح: اس شعر میں آتش وہ وجوہات بیان کرتے ہیں جس کے سبب انسان ایک دوسرے کا دشمن بن جاتا ہے۔ اسلحہ، فوج، مال و دولت اور بادشاہی کی بناء پر انسان اپنے مخالفین کی فوج تیار کر لیتا ہے، مگر میرے پاس ایسا کچھ بھی نہیں، جو لوگ میری مخالفت کریں یا میرے خلاف صف آراء ہوں۔

آتی ہے کس طرح سے میری قبض روح کو

دیکھو تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا!

تشریح: اس شعر میں آتش زندگی کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اور موت ہر وقت اس کے تعاقب میں ہے، یہ کسی بھی وقت اور کہ، کسی بھی یہ زندگی عارضی ہے اور موت مقام پر ساتھ چھوڑ جائے گی۔ میری موت نہ جانے کس بہانے کی منتظر ہے کیوں کہ اس سانس کے رُک جانے کا یقیناً کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو گا، جو میری موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

غزل(1)

شاعر: مرزا اسد اللہ خان غالب

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟

آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

حوالہ: یہ شعر ہماری اردو کی کتاب کی غزل سے لیا گیا ہے جس کے شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب ہیں۔ غالب اردو کے باکمال شاعر تھے۔ اردو شاعری میں جو مقام و مرتبہ غالب کے حصے میں آیا وہ کسی اور شاعر کے حصے میں نہ آسکا اسی وجہ سے ان کو اُردو زبان کا پہلا فلسفی شاعر مانا گیا۔

تشریح: غالب کا یہ شعر ی سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جاندار موضوع کو جتنی سادگی کے ساتھ غالب نے اپنے الفاظ میں استعمال کیا یہ صرف انہی کا خاصہ تھا۔ اس شعر میں صنعت تجاہل عارفانہ کا بھی بخوبی استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ دل میں ہونے والے درد کا علاج دوا نہیں بلکہ محبوب ہے۔ مگر پھر بھی انجان بنتے ہوئے اپنے دل سے پوچھ رہے ہیں کہ نادان دل آخر تجھے ایسا کیا ہو گیا؟ جس کی دوا نا معلوم ہے۔

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

تشریح: اس شعر میں میں غالب فرماتے ہیں کہ ہمارا محبوب ہم سے اس قدر غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہے کہ وہ ہم سے یہ تک نہیں پوچھتا کہ ہماری یہ حالت کسی وجہ سے ہے۔ اگر وہ کسی دن ہم سے استفسار کرے تو ہم اپنے دل پر گزرنے والے احوال اس کے سامنے بیان کر دیں۔

Prof.Mukhtar Ahmed

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں

ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

تشریح: شعر میں غالب کائنات کے سربستہ رازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس زمین کو جس خوبی کے ساتھ بنایا ہماری عقل اس تک پہنچنے سے قاصر ہے پھول اور پودوں کا پیدا ہونا، ہواؤں اور گھٹاؤں کا چلنا انسانی عقل سے ماوراہے۔ شعر لفظی اعتبار سے جتنا سادہ ہے معنوی اعتبار سے اتنا ہی پیچیدہ ہے۔

غزل(2)

شاعر: مرزا اسد اللہ خان غالب

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

تشریح: یہ غزل غالب کی شہرہ آفاق غزلوں میں سے ایک ہے۔ غالب اس شعری میں فرمارہے ہیں کہ ہمارا دل کوئی پتھر کا بنا ہوا نہیں ہے۔ جسے درد کا احساس نہ ہو۔ لہذا جب کوئی ہمارا دل دکھائے گا یا ہمیں ستائے گا تو ہم ہزار بار روئیں گے۔ کیونکہ ہم بھی دوسرے انسانوں کی طرح دل رکھتے ہیں۔ لہذا ہمارا محبوب یہ نہ سمجھے کہ وہ ہم پر جتنا ظلم و ستم کرتا رہے گا ہم برداشت کرتے رہیں گے۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں

بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

تشریح: اس شعر میں شاعر فرماتے ہیں کہ ہم نہ کسی کے در پر بیٹھے ہوئے ہیں، نہ کسی کے گھر پر بیٹھے ہوئے ہیں، نہ ہی یہ کوئی مسجد و مندر ہے۔ لہذا کسی کو حق نہیں پہنچا کہ وہ آکر ہم سے پوچھے یا ہمیں راہ گزر سے اٹھانے کی کوشش کرے۔ یہ ہمارے محبوب کی راہ گزر ہے۔ کسی کا گھر یا دروازہ نہیں جس پر اس کا حق ہے۔

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہر نیم روز

آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں

تشریح: اس شعر میں غالب نے اپنے محبوب کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو ایسے سورج سے تشبیہ دی ہے جو نیم روز یعنی آدھے دن یا دوپہر کے وقت کا ہو جس وقت سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔ غالب کا کہنا ہے کہ میرے محبوب کے جمال سے دل میں روشنی اور نور پیدا ہوتا ہے، ساتھ ہی دوپہر کے سورج کی طرح وہ جمال اس درجہ بے پناہ ہے کہ اس کی طرف آنکھ نہیں اُٹھ سکتی جو آنکھ اُٹھے گی تو چندھیا جائے گی اور اس جمال سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے گی۔ جب حالت یہ ہے تو اسے پردوں میں چھپے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مولانا حالی کے قول کے مطابق یہ شعر مجازی اور حقیقی دونوں پہلو لیے ہوئے ہے۔ وجود حقیقی کائنات میں نمایاں اور آشکارا بھی اور پنہاں و مستور بھی۔ کوئی اس کے جمال سے براہ راست بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔

Prof. Mukhtar Ahmed

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

تشریح: اس شعر میں غالب فلسفۂ زندگی بیان کرتے ہیں کہ زندگی اور غم ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوسکتے۔ انسان غم، دکھ، مصیبت اور آزمائش سے صرف موت ہی کی صورت میں چھٹکارہ پاتا ہے۔ موت ہی انسان کو زندگی کے آلام و مصائب سے نجات دلا سکتی ہے۔ قیدِ حیات ٹوٹے تو قیدِ غم بھی ٹوٹ جائے گی ،ورنہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے۔

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں

تشریح: اس شعر میں غالب اپنی حالتِ زار کو زبانِ حال سے تسکین دے رہے ہیں کہ میرے بغیر اس دنیا کے کام نہیں رکیں گے۔ یہ دنیا اسی طرح چلتی رہتی ہے، کسی کے جانے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس گریہ زاری کا کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کیا کیجیے۔

غزل(1)

شاعر:حسرت موہانی

حوالہ: یہ شعر ہمارے نصاب میں شامل اُردو کی کتاب "گلزار اردو کے حصہ نظم میں غزلیات کے حصہ میں شامل حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلی ہم رہاں سے ہم

تشریح: حسرتؔ موہانی بیک وقت شاعر اور تحریک آزادی کے سرگرم مجاہد تھے۔ ان کی طرح شوق آزادی اور جذبہ حریت اس وقت ان کے دوستوں میں بھی مفقود تھا۔ ساتھیوں کا عدم تعاون انھیں منزل حاصل کرنے میں رکاوٹ اور دوری کا پیغام دے رہا تھا۔ جو ان کے لیے باعثِ پریشانی تھا۔

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

تشریح: اس شعر میں شاعر نے محبوب کے طرزِ تغافل کو موضوع سخن کیا ہے کہ وہ ہمارے حال اسے واقف ہونے کے باوجود اجنبیوں کی طرح ہم سے ہمارے حالات کا سبب دریافت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ بے نیازانہ انداز ہمیں گراں گزر رہا ہے کیوں کہ ہمارا اور ان کا تعلق زبان و بیان سے آگے بن کہے دل کی بات سمجھنے کا ہے۔

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ امتحاں سے ہم

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کے رویے کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہیں کہ ان کا یہ رویہ ناقابل فہم ہے۔ کبھی ان کا التفات اور مائل کرم ہونا ہمیں خوشی سے سرشار کر دیتا ہے۔ کبھی ان کا طرز تغافل ہمیں ان کی محبت سے ناامید کر دیتا ہے۔ بیک وقت امید اور ناامیدی کی دو دھاری تلوار ایک ایسی اذیت طاری کر دیتی ہے جو عاشق کے لیے ایک امتحان کی صورت بن جاتی ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق

پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

تشریح: شاعر انسانی زندگی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کے کسی بھی جذبے اور عمل کی ابتدا و انتہا سے بے خوف کر دیتی ہے۔ ابتدا میں کسی چیز کا نا ہوتا اور انتہا کسی چیز کو حاصل نہ کرنے کی مایوسی، دراصل ایک ایسی کیفیت سے دوچار کر دیتی ہے کہ ابتداء اور انتہا کا فرق بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان ایک بار پھر اس راہ کی جانب قدم بڑھاتا ہے،

حسرتؔ پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی

اچھا جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

تشریح: اس شعر میں شاعر محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ لاشریک لائق کبریائی ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔ اب جو اس کے آگے سر جھکا دیا تو کیوں کر اس سے منہ موڑ سکتے ہیں کیوں کہ کوئی ایسا نہیں اور کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔

غزل

شاعر: احمد فراز

حوالہ شاعر: احمد فراز کا اصل نام "سید احمد شاہ" تھا۔ وہ 14 جنوری 1931ء کو کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ یہ شعر ہمارے نصاب میں شامل اُردو کی کتاب "گلزارِ اُردو" کے حصہ ٔ نظم سے لیا گیا ہے۔

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا

وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

تشریح: احمد فراز کی غزل کا مطلع زبان زد عام ہے۔ عشق مجازی کا یہ شعر محبوب کے رویے کی جانب اشارہ ہے کہ محبوب ان سے بے اعتنائی کا رویہ رکھے ہوئے ہے جیسا کے زمانے کا رویہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر دوست کو تو زندگی کے دکھ سکھ کے ساتھی اور مشکلات میں غم بانٹنے والے کی صورت ہونا چاہئے، جب کہ ہمارا دوست تو ہمارے مقابل مخالفین کے ساتھ قدم بہ قدم ہے اور دوست کا یہ رویہ دوستی کے اصولوں کے منافی ہے۔

اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار مرا

سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

تشریح: اس شعر میں شاعر محبت میں شاذونادر ہی پیش آنے والی ایک صورتحال کو موضوع سخن کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں جو محبوب کی الفت میں گرفتار ہو گیا تھا اور میرے سلیقہ محبت نے بالآخر انھیں نظر اندازی اور جفاکشی ترک کرنے پر مجبور کر دیا اب وہ مائل بہ کرم و محبت نظر آتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے رویے پر شرمندہ ہے اب میں نہیں بلکہ وہ میری محبت میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

Prof.Mukhtar Ahmed

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اس سے
وہ جو اک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے اور محبوب کے تعلقات کو موضوع سخن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق مثالی تھا اور جدائی کا تصور تو ہمارے لیے سوہان روح تھا۔ ایسا کیا ہوا معلوم نہیں کہ وہ شخص ہم سے منہ پھیر کر ہمیں چھوڑ کر چلا گیا، اگر وہ ہمارے درمیان ہونے والے عہد وپیماں پر نظر ڈالتا تو شاید جدائی کی یہ راہ اختیار نہیں کرتا۔

میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے خواب کی ممکنہ تعبیر سے خوفزدہ ہیں۔ جس طرح باغ کی رعنائی جب بہار کے موسم میں اپنے عروج پر تھی، آگ نے اسے بھسم کر کے رکھ دیا۔ اب یہ خواب مجھے پریشان کر رہا ہے کہ میری محبت کے موسم کو خزاں کی زردی نہ چاٹ جائے اور میں نامراد ہوں۔ میری محبت کا شجر بار آور نہیں ہو سکے گا۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

تشریح: احمد فراز کے اس شعر کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ شاعر نے اس شعر میں اپنی زمانہ سادگی کو موضوع کلام بنایا ہے۔ آج کے دور میں دستور زمانہ کے مطابق دوعا سلام رکھنے والا ہر شخص مخلص نہیں ہوتا، کیوں کہ اب وقت کے ساتھ زمانے کے انداز بدل چکے ہیں۔ انسان کے ظاہر و باطن میں واضح فرق آچکا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص پر بھروسہ کرنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

پیامِ لطیفؒ (وائی)

شاعر: شاہ عبد اللطیف بھٹائی

تعارف مترجم: پروفیسر آفاق صدیقی 4 مئی 1928ء کو فرخ آباد (ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ انہیں اُردو کے علاوہ سندھی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سندھ کے مشہور صوفی شاعر شاہ عبد اللطیف بھٹائی کے کلام کا ترجمہ انھوں نے سندھی سے اُردو میں کیا ہے۔

حوالہ شاعر: شاہ عبد اللطیف بھٹائی 1689ء میں حیدرآباد (سندھ) کے شہر ہالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

بند نمبر–1

اول نام اللہ کا اعلیٰ اور علیم
قادر اپنی قدرت سے قائم اور قدیم
والی، واحد، وحدہٗ، رازق، رب، رحیم
بڑھ کر ہے، حمد سے اس کی حمد حکیم
ہے سارے سنسار کا مالک وہی کریم

Prof.Mukhtar Ahmed

حوالہ بند: یہ بند شامل نصاب "گلزار اردو" میں شامل شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی وائی کا پہلا بند ہے۔ جس کا ترجمہ پروفیسر آفاق صدیقی نے نہایت عرق ریزی سے کیا ہے۔

تشریح: اس بند میں شاعر اللہ تعالی کی صفات بیان کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالی کی ذات اقدس سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، وہی اول ہے اور وہی آخر بھی ہے، وہ یکتا ہے، ہم سب کا تخلیق کار ہے، روزی رساں ہے، ارض و سما کا مالک و خالق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، زبردست حکمت و دانائی والا ہے۔ اپنی مخلوق کے لیے رحیم و کریم ہے اور دونوں جہانوں کا خالق و مالک ہے۔

بند نمبر 2

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان
رسول پاکؐ سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں دونوں ہی کا سودا
کسی در پہ نہ اس سر کو جھکاؤ

تشریح: اس بند میں شاہ عبد اللطیف ایک کامل مسلمان کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سچا مسلمان وہ ہے جو اللہ کو خالق حقیقی دل و جان سے تسلیم کرے، اس کی عظمت و بڑائی کا اعتراف کرے، اس کے محبوب کے نبی ہونے پر غیر متزلزل یقین رکھے اور قرآن و سنت پر مکمل عمل پیرا ہو تو صحیح معنوں میں بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یعنی جو خدا کے حضور سر جھکا دے اسے اور کسی در کی حاجت نہیں رہتی۔

بند نمبر 3

جنھوں نے دل سے اُس یکتا کو مانا
محمد کو بہ صد اخلاص جانا
کبھی بھٹکیں نہ سیدھی راہ سے وہ
جنہیں حاصل ہوا سچا ٹھکانہ

تشریح: اس بند میں شاہ صاحب بندہ مومن کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں کہ سچا کامل انسان اللہ کی وحدانیت کا اقرار دل سے کرتا ہے اور ہر اس کام سے گریزاں رہتا ہے جسے کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول کو دل سے آخری نبی تسلیم کرنا ایمان کا لازمی جزو ہے، اس سے دین کی تکمیل وابستہ ہے۔ اللہ اور اس کے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہی درحقیقت فلاح کا راستہ ہے اور سچا انسان صراط مستقیم پر سفر کرتا ہے، اپنی راہ سے نہیں بھٹکتا، شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتا، ثابت قدم رہتا ہے اور دنیا و آخرت میں فلاح پاتا ہے۔

بند نمبر 4

جس کی فطرت میں ہو تن آسانی
جس کی آرام سے گزرتی ہے
کیا خبر اس کو، خستہ حالی پر
بے کسی کتنے وار کرتی ہے

تشریح: اس بند میں شاہ صاحب ان لوگوں کی طرف توجہ مبذول کروا رہے ہیں جنہیں تن آسانی کی عادت ہے جو محنت سے جی چراتے ہیں اور آسودگی جن کا ٹھکانہ ہے، وہ غریب و بے کس کی مشکلات کیسے جان سکتے ہیں کیوں کہ انھیں کبھی مشکل سے واسطہ پڑا ہی نہیں۔ درحقیقت وہ لوگ جو مفلسی اور بے کسی کے مارے ہیں، ان کی گزر اوقات انتہائی مشکل ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

خلاصے اور مرکزی خیال

خلاصہ

"قومی اتفاق"

مضمون "قومی اتفاق" میں سر سید نے لفظ قوم کو کسی خاص گروہ یا نسل کے معنوں سے نکال کر وطنیت کے مفہوم سے آشنا کیا یعنی کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے جن کا تعلق ایک وطن سے ہو، ایک قوم ہیں۔

مذہب نے ایک کلمہ کی بنیاد پر توحید کی مضبوط رسی میں ایک دوسرے کو مربوط کیا اور اخوت کا بے مثل رشتہ قائم کیا ہے۔ شیطان مختلف حیلوں بہانوں اور اخوت واتحاد کے اس رشتے کو نفاق ڈال کر ختم کرنا چاہتا ہے اور اس وجہ سے جمعیت کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور یہ کسی بھی قوم کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہے۔ قومی اتفاق کے لیے ایک دوسرے کے عقائد کا احترام کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔ انسانی شخصیت کے دو پہلو ہیں، ایک کا تعلق عقائد اور دوسرے کا معاشرت سے ہے۔ عقائد کا تعلق مذہب اور خدا سے ہے جب کہ معاشرت کا تعلق اس علاقے کے رہنے والے لوگوں کی بھلائی اور رواداری ہے۔ اس لیے اول الذکر پہلو جس کا تعلق خاص کر صرف انسانی ذات سے ہے اس میں اختلاف وعداوت کرنا کسی طور پر بھی فرد اور معاشرے کے لیے مفید نہیں۔ ثانی الذکر وہ پہلو جس کا تعلق معاشرت اور اس کے افراد سے ہے اس میں رواداری برتنا ہی قومی اتفاق اور ترقی کے فروغ کے لیے اہم ہے۔

اس مضمون میں ان تمام باتوں کو اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے جو قومی اتفاق کے لیے ضروری ہیں اور ان باتوں کو نظر انداز کرنے کے لیے کہا گیا ہے جو نفاق کا سبب بن سکتی ہیں کیوں کہ قومی اتفاق ہی کی بدولت قومیں بام عروج تک پہنچتی ہیں۔

ہمیں صرف انسانیت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے باہمی محبت و دوستی، ایک دوسرے کی اعانت اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی رکھنی چاہیے۔ یہ تمام امور قومی ہمدردی کو جنم دیتے ہیں جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت ہوگی اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق اور قومی ہمدردی قائم ہو سکتی ہے۔ جو قومی ترقی کے لئے پہلی منزل ہے۔ آپس میں سچی محبت رواداری اور دوستانہ برتاؤ ہی سب کچھ ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں ناپید ہے اسی طرح آپس میں اتفاق بھی ناممکن ہے۔ میرے نزدیک یہ قول شخصی اتفاق کے بارے میں تو صحیح ہو سکتا ہے مگر جہاں تک قومی اتفاق کا تعلق ہے، اس کے لیے طبیعت کا مختلف ہونا اثر انداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ قوم کی فلاح و بہبود کبھی کی فلاح و بہبود ہے۔ قوم کی مضبوطی سب کی مضبوطی اور قوم کی کمزوری سب کی کمزوری ہے۔ اس لیے قومی نفع اور نقصان پر سبھی متفق ہوتے ہیں۔ قومی مفادات کے سامنے شخصی تنازعات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ہمارے زوال اور بربادی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے قومی اتحاد اور اتفاق کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم قومی اتفاق اور اتحاد کو بالکل بھول چکے ہیں ہیں۔ جب کسی قوم کی بے حسی اس حد تک بڑھ جائے تو پھر نہ اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے اور نہ کیے جانے والے کاموں میں برکت رہتی ہے۔ ہمارے اندر اس بات کا جوش اور ولولہ ہونا چاہیے کہ ہم انفرادی سطح سے ہٹ کر اجتماعی مفاد کی کوشش کریں تاکہ قومی ہمدردی اور محبتوں میں استحکام کو فروغ دیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو قوم خود کوشش نہیں کرتی ہم بھی اس کی حالت تبدیل نہیں کرتے۔

قوم کے زوال کی حقیقی وجہ اجتماعی کے بجائے انفرادی معاملات و فوائد پر توجہ دینا ہے۔ جب قوم کی بھلائی کے بجائے ذاتی منفعت پیش نظر ہو تو قومی اتفاق ناپید ہو جاتا ہے جو کسی بھی قوم کے تشخص اور وجود کے لیے زہر ہلاہل ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

مرکزی خیال

"زبان گویا"

مضمون "زبان گویا" میں مصنف الطاف حسین حالی نے زبان کی خصوصیات کو موضوع قلم بنایا ہے۔ زبان جو کہ انسانی سوچ اور تصور کو لفظوں کا روپ دے کر دوسروں پر آشکار کرتی ہے۔ یہ خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہے، کہیں یہ لوگوں کا دل بہلاتی ہے تو کہیں دل جلاتی ہے، کہیں تصور کو واضح اور خیال کو مبہم کر دیتی ہے، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ، دشمن کو دوست اور دوست کو دشمن بنانے کے علاوہ بہت سی صلاحیتیں اس میں پوشیدہ ہیں، جب تک یہ حق گویائی کرے تو زبان کہلانے کی مستحق ورنہ سراسر ذلت اور ہزیمت کا باعث ہوتی ہے۔

خلاصہ

"زیور کا ڈبا"

افسانہ "زیور کا ڈبا" دو مختلف معاشرتی طبقات سے تعلق رکھنے والے گھرانوں کی کہانی ہے۔

چندر پرکاش کا مختصر خاندان دو افراد پر مشتمل ہے جس میں وہ اور اس کی بیوی شامل ہیں۔ چندر پرکاش بی۔ اے پاس بیروزگار نوجوان ہے جو ناسازی حالات کی وجہ سے ٹیوشن پڑھا کر گزر بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اپنی تعلیم یافتہ اور سمجھ دار بیوی چمپا کو پرکاش پر آسائش زندگی نہ دینے کے سبب ملول سا رہتا ہے۔ والدین کی زندگی میں دیکھے گئے تابناک مستقبل کے خواب تعبیر نہ پا سکے تھے۔ ٹھاکر ٹھکرائن اور ان کے نوجوان بیٹے ویر اندر پر مشتمل یہ گھرانہ گھریلو ملازموں اور امارات کی وجہ سے معاشرے میں اپنی ساکھ رکھتا ہے۔

ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش کو اپنے بیٹے کو پڑھانے کے لیے تیس روپے ماہوار پر ملازم رکھا اور اپنے مکان سے ملحق مکان بھی اسے رہنے کے لیے دیا تھا۔ ٹھاکر صاحب پرکاش کی تعلیم کی وجہ سے اسے بہت عزت دیتے تھے اور اسے گھر کا فرد گردانتے تھے۔ ٹھاکر صاحب نے بیٹے کی شادی کے تمام انتظامات اس کے سپرد کر دیئے تھے۔ اتنا بہت سارو پیہ اور زیورات دیکھ کر اس کے دل میں بے ایمانی آگئی۔ اس نے ٹھاکر صاحب کے گھر میں نقب زنی کی اور کمال چالاکی سے تمام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس کی بیوی چمپا سے یہ راز زیادہ عرصے تک چھپا نہ رہا اور اس نے شوہر کو یہ بات ظاہر کئے بغیر مختلف انداز سے یہ باور کرا دیا تھا۔

پرکاش گھبرایا ہوا ٹھاکر کے گھر پہنچا اور کہنے لگا یہ کیسے ہو گیا۔ ٹھاکر صاحب پریشانی کے عالم میں بولے کوئی تالا نہیں ٹوٹا کسی دروازے کی چول نہیں اتری سمجھ نہیں آتا وہ کیسے اندر داخل ہو گیا ٹھکرائن کہنے لگی تم نے کتنی محنت اور بھاگ دوڑ کے بعد یہ زیور تیار کرایا تھا سب غارت ہو گیا۔ پرکاش نے کہا کہ مجھے یہ کس نوکر کا کام معلوم ہوتا ہے ٹھکرائن مطمئن نہیں تھی مگر ٹھاکر نے پرکاش کی حمایت کی۔ پرکاش نے پولیس میں رپورٹ کرانے کی بھی مخالفت کی ٹھکرائن بھی کہنے لگی کہ مجھے یہ کام کسی باہر کے آدمی کا معلوم ہوتا ہے۔ ٹھاکر نے کہا ذرا چھت پر دیکھو شاید کوئی نشان ہو۔ چھت جا کر دیکھنے سے چونا لگے پاؤں کے نشان دونوں چھتوں پر نظر آئے۔ ٹھاکر تو مروت میں کچھ نہ بولا، مگر خود پرکاش کہنے لگا کہ میں آج ہی یہ گھر چھوڑ دوں گا میرے گھر کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ میری غفلت سے کوئی چور چھت پر چلا گیا ہو گا مجھ پر بہت بڑی جوابدہی آگئی ہے۔ جب پرکاش چلا گیا تو ٹھاکر کی عورت نے کہا بڑا ہی لائق آدمی ہے۔ پرکاش نے وہ گھر چھوڑ دیا اور چمپا کے ساتھ الگ رہنے لگا۔ شادی کی گہما گہمی میں تو پرکاش کی بیوی چھپانے نئے صندوق کے متعلق پرکاش سے سوال نہیں کیا لیکن جب فرصت ہوئی تو صندوق کا پوچھا۔

Prof. Mukhtar Ahmed.

پرکاش ایک دم چونک گیا کہنے لگا، کچھ پرانی کتابیں اٹھا کر صندوق میں بند کر دی ہیں۔ مگر اس بات سے چمپا کا شک کم نہ ہوا ایک دن چمپا نے تالے والے سے اس تالے کی چابی خرید لی اور صندوق کھول ڈالا۔ زیور دیکھ کر وہ سکتے میں آگئی۔ اسی دن سے چمپا اداس رہنے لگی پرکاش سے وہ محبت نہ رہی بات بات پر تکرار ہونے لگی۔ دن گزرنے لگے۔ شہر کے بینک میں اسٹنٹ منیجر کی جگہ خالی ہوئی پرکاش نے اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کیا ہوا تھا۔ مگر نوکری کے لیے دس ہزار روپے نقد کی ضمانت اس کے پاس نہیں تھی۔ ٹھاکر صاحب نے پرکاش کو درخواست داخل کرنے کا کہا اور امید دلائی کے سب امور طے پا جائیں گے۔ ٹھاکر صاحب کی رحم دلی اور اعتماد سے اب اسے خود سے نفرت اور گھن آنے لگی تھی۔ جب چمپا کو اس نے نوکری کی خوشخبری دی تو چمپا نے منہ پھیر لیا۔ کہنے لگی کہ ٹھاکر صاحب کے ہاں شادی میں تم اپنی نیت ٹھیک نہیں رکھ سکے جب کہ وہ دیوتا ہر کڑے وقت میں ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ جو آدمی ہم پر اتنا مہربان ہو، اس کے لیے تو ہمیں جان قربان کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

پرکاش کا ضمیر اب سخت ملامت کرنے لگا اسے ٹھاکر صاحب کے احسانات اور اپنی طرف سے دیا گیا دھوکا رہ رہ کر ستانے لگا۔ پرکاش کی بینک میں نوکری لگ گئی۔ اس خوشی میں اس کے گھر مہمانوں کی دعوت تھی ٹھاکر صاحب ان کی بیوی ویرندر اور اس کی نئی دلہن بھی مدعو تھے۔ خوب رونق رہی۔ کھانے کے بعد ٹھاکر صاحب جب جانے کے لیے اٹھے تو پرکاش نے کہا، آج آپ کو یہاں رہنا ہوگا۔ چمپا حیران تھی کہ چارپائی نہیں بچھونے نہیں اور جگہ بھی ناکافی ہے پھر مہمانوں کو کیوں کر تکلیف میں مبتلا کیا جائے۔ مگر پرکاش کی ضد کے آگے ٹھاکر صاحب نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ پرکاش رات خاموشی سے اٹھا ہاتھ میں زیور کا ڈبا لیے ٹھاکر صاحب کے گھر پہنچا، اس کے پاؤں کانپ رہے تھے مگر دل میں خوشی کا احساس تھا وہ زیور کا ڈبا ٹھاکر صاحب کے پلنگ کے نیچے رکھ کر دبے قدموں واپس آگیا۔ اگلے دن ویرندر کو پڑھانے کے وقت سے پہلے ہی بے چین ہو کر ٹھاکر صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ ویرندر نے خوشی سے کہا، بابو جی کل آپ کے ہاں کی دعوت بہت مبارک رہی، جو زیورات چوری ہوئے تھے وہ سب ویسے کے ویسے ہی مل گئے۔ ٹھاکر صاحب بھی آئے اور کہنے لگے تمہاری دعوت بہت ہی مبارک ثابت ہوئی۔ جیسے کوئی معجزہ ہو گیا اور ورندر کی ماں بھی کہتی ہے کوئی غیبی معجزہ ہے۔ گھر آکر پرکاش نے چمپا کو یہ خوشخبری سنائی وہ سن کر رونے لگی اور اسے یوں لگا جیسے اس کا عرصے سے بچھڑا ہوا شوہر دوبارہ مل گیا ہو۔

خلاصہ

بیگم کی بلّی

بیگم کی بلی امتیاز علی تاج کا تحریر کردہ ایک دلچسپ ڈراما ہے۔ یہ ڈراما بیگم کی بلی سے پریشان حال شوہر کی کوششوں پر مشتمل ہے، جو وہ بلی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے کیوں کہ اس منحوس بلی کی وجہ سے ان کے بیوی اور پڑوسیوں سے تعلقات کشیدہ ہو رہے تھے۔ ان کے گھر کا ماحول خراب اور وہ بے سکون و بے آرام ہو رہے تھے۔ ابتداء میں شوہر بلی کو گھر سے دور دریا کے کنارے چھوڑ آنے کی اپنی کی سعی اس امید سے کرتا ہے کہ وہ وہیں مر کھپ جائے گی، مگر یہ بلی واپس لوٹ آتی ہے اور شوہر اسے کوئلوں کی کوٹھڑی میں چھپا کر اسے ٹھکانے لگانے کے متعلق سوچ رہا ہوتا ہے کہ باورچی کی نوکری کے لیے آئے امیدوار کو بلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے تعاون کا خواہاں ہوتا ہے اور اسے اس کام کے لیے اٹھنی کی پیشکش کرتا ہے، مگر وہ چالاک امیدوار مختلف حیلے بہانے بنا کر پانچ روپے لے کر اس کام کے لیے راضی ہو جاتا ہے۔

شوہر، بیوی کو بلی کی موت کی خبر سنا کر ان کا دل بہلانے کے خیال سے انھیں دس روپے دے کر خریداری کی غرض سے بازار روانہ کر دیتے ہیں۔ اتنی دیر میں میاں کے چھوٹے بھائی گھر میں وارد ہوتے ہیں اور میاں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنی تمام کارگزاری اس کے گوش گزار کر دیتے ہیں کہ کسی طرح یہ بلی ان کا دردِ سر بنی ہوئی تھی اور بالآخر آج انھوں نے اس سے نجات حاصل کر ہی لی۔

Prof Mukhtar Ahmed

بیگم جو خریداری کے لیے گھر سے نکل رہی ہوتی ہیں، امیدواران کی گاڑی ہاتھ کے اشارے سے روک کر انھیں وہ بلی دکھاتا ہے، بیگم جو بلی کے لیے افسردہ تھیں، خریداری کے دس روپے کے عوض وہ بلی خرید کر گھر میں داخل ہوتی ہیں اور میاں کو وہ بلی دکھا کر کہتی ہیں کہ ہو بہو میری بلی جیسی ہے، بس کو ملے والے کے یہاں رہ کر کالی ہو گئی ہے۔ وہ امیدوار بیگم کی مرہون منت گھر کے ملازم کا درجہ پا چکا ہوتا ہے اور میاں کی مجال نہ تھی کہ وہ بیگم کی مرضی کے آگے دم مار سکے

مرکزی خیال
تھر کی نادیہ کمانچی

عزم و ہمت حوصلہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو تمام ذی روح میں ممتاز بناتے ہیں۔ تھر کی نادیہ کمانچی گو کہ بہت کم عمر ہے مگر ہمت و حوصلہ کا پیکر ہے۔ وہ تھر کے افلاس زدہ علاقے میں جہد مسلسل کے لیے سرگرداں ہے۔ حالات کے آگے سینہ پر کئے ہوئے بلند و بالا کارد شہر کو اپنے عزم و حوصلے کے ساتھ سرنگوں کیے ہوئے ہے۔ تارڑ صاحب نے سفر نامہ سندھ میں تھر کی نادیہ کے عزم و ہمت کا موازنہ رومانیہ کی نادیہ کمانچی سے کیا ہے۔ تاہم رومانیہ کی نادیہ کمانچی کو ابتداء ہی سے مناسب تربیت دی گئی تھی جب کہ تھر کی نادیہ زندگی کا پہیہ رواں رکھنے کی جدوجہد میں مصروفِ عمل ہے۔

مرکزی خیال
خواہ مخواہ کی لڑائی

نثری مزاح میں خواہ مخواہ کی لڑائی ایک ایسی شگفتہ تحریر ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ شوکت تھانوی نے خواہ مخواہ کی لڑائیوں کو موضوع بنایا ہے کہ کسی طرح یہ لڑائیاں بغیر کسی اصولی موقف اور مقصد کے لڑی جاتی ہیں، فریقین سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور معاملہ فہمی کا ادراک جذباتیت کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ ایسے میں وہ معمولی باتیں جنہیں با آسانی نظر انداز کیا جاسکتا ہے، بہت گراں گزرتی ہیں اور انسان خواہ مخواہ کی لڑائی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

مرکزی خیال
حمد

تمام تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہیں جس نے تخیل و عقل کی معراج سے اپنی ذات کا شعور بخشا۔ کائنات میں اپنی قدرت کے شاہکار نمونے بارش، پھول، پھل، پتے، موسم، کڑکتی بجلی، گرجتے بادل، جنگل، میدان اور سمندر وغیرہ تخلیق کیے، یہ سب چیزیں اس کی ذات اور وجود کا مظہر ہیں۔ یہ کائنات اللہ کی قدرت کے کرشموں کا بے مثال نمونہ ہے

مرکزی خیال
نعت

اس نعت میں مشہور نعت گو شاعر اقبال عظیم حضور کی تعریف بیان کرتے ہوئے ان کے مقام و مرتبہ کی عظمت اور بلندی بیان کرتے ہیں۔ سوائے خدائے بزرگ و برتر کے دنیا میں کوئی بھی آپ سے بلند مرتبت نہیں ہے۔ ان کے شہر مدینہ کو بھی فضیلت اور خوبصورتی میں جنت کی مانند قرار دیا ہے

مرکزی خیال

رہے نام اللہ کا

"رہے نام اللہ کا" نظیر اکبر آبادی کی عمدہ نظم ہے۔ تنظیم مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہ دنیا اور اس کا نظام ایک مقررہ وقت تک ہے، اس دنیا میں بسنے والے انسان، حیوان، چرند و پرند یہاں تک کہ خلاء میں معلق سورج، چاند، ستاروں نے بھی ایک دن فنا کا جام پینا ہے۔ حضرت انسان کی کامیابیاں اور کامرانیاں بھی اس کے کام نہ آئیں گی۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب، کامیاب و ناکام فرض اس دنیا کی تمام رونقیں اور رنگینیاں وقت مقررہ پر ختم ہو جائیں گی۔ بس ایک ہی ذات فنا و بقا سے ماوراء ہے جو مالک کل ہے اور اسی کو دوام ہے۔

خلاصہ نظم

رہے نام اللہ کا

نظیر اکبر آبادی کی نظم "رہے نام اللہ کا" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس نظم میں انھوں نے دنیا کے فانی ہونے اور آخر میں صرف ایک ذات اللہ کا نام رہ ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ جو بھی اس دنیا میں آیا وہ آخر فنا ہو جائے گا۔ وہ چاہے مال دار ہو یا غریب، طاقت ور ہو یا مجبور، مشہور ہو یا غیر معروف سب دنیا سے یہاں تک کہ خوشی اور دکھ کی کیفیات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ صرف اللہ کا نام باقی رہے گا۔ یہ نیلا آسمان جو ایک سائبان یا گنبد کی صورت میں آسمان پر دار یہ جو چاند ستارے اور سورج ہوا میں معلق ہیں، زمین و آسمان ہی نہیں پوری کائنات اللہ کے صرف ایک اشارے پر ختم ہو جائے گی اور صرف اللہ کا نام ہی باقی رہے گا۔ ایسے لوگ جو خود کو بڑا چالاک اور ہوشیار سمجھتے ہیں اور اپنی چالاکی سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، جب ان پر موت کا سایہ منڈلائے گا تو وہ خود کو بچا نہیں پائیں گے اور آخر میں صرف اللہ کا نام باقی رہے گا۔ دنیا میں ہر طرح کی عمارتیں ہیں کوئی چھوٹی کوئی بڑی، کوئی معمولی جھونپڑی اور خوبصورت عالیشان مکانات سب ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ یہی نہیں جو خوب صورت باغ اور چمن ہیں جن میں رنگارنگ پھول اور ان کی خوشبو انسان کو محور کر دیتی ہے وہ بھی فنا ہو جائیں گے۔ آخر میں نظیر کہتے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی کئی شاعر و ادیب آئے کسی نے شاعری کی صورت میں اور کسی نے قصے کہانیوں کی صورت میں اور اپنے نقوش چھوڑے ہیں لیکن نہ کوئی غزل باقی رہے گی نہ کوئی اور تخلیق، ہر شے فنا ہو جائے گی۔ صرف ایک اللہ کا ذات باقی رہے گی اور اسی کا نام زندہ رہے گا۔

نظم "رہے نام اللہ کا" میں شاعر نظیر اکبر آبادی نے بنیادی طور پر اس دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کا ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کی ہر شے فانی اور ختم ہو جانے والی ہے۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی اور اس کا نام زندہ رہے گا۔ لہٰذا ہمیں دنیا کی رعنائی اور خوب صورتی میں گم ہونے کی بجائے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی زندگی کو گزارنا چاہیے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں ایک دن اس کے حضور پیش ہونا ہے۔

مرکزی خیال کی وضاحت دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مخاطب کرتے ہوئے بزبان رہی یہ حقیقت اور اصلیت بتلا دی ہے کہ: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ.
(اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے)۔

نظم "رہے نام اللہ کا" میں بھی نظیر اکبر آبادی نے اس عقیدے اور حقیقت کو اپنے انداز سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوقات خواہ انسان و جنات ہوں یا حیوانات و نباتات یا پھر اس کے علاوہ کوئی اور مخلوق (خواہ ہمیں آج تک اس کے وجود کا علم ہی نہ ہو) بالآخر ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح زمین و آسمان ہوں کہ چاند سورج، ستارے، سیارے یا مختلف کہکشائیں سب نے فنا ہو جانا ہے۔ نظیر مزید فرماتے ہیں کہ مختلف عمارات و محلات ہوں یا پھر مختلف کھیت اور باغیچے یا پھر دیگر انواع و اقسام کے عجائبات سب نے ہی بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ اس طرح انسان کی بادشاہت ہو اقتدار ہو یا پھر اس کی طاقت یا حسن، اس کی صحت ہو یا پھر

Prof.Mukhtar Ahmed

جوانی، اس کے معاملات ہوں یا تعلقات، انسان کی ترقی کی کہانیاں ہوں یا زوال کی داستانیں سب ہی کچھ ملیا میٹ ہو کر غیست و نابود ہو جانے والا ہے۔ کچھ باقی نہیں رہے گا سوائے وحدہ لاشریک کی ذات واحد کے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ کُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ، وَيَبۡقَىٰ وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ.

ترجمہ:(اس دنیا میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی فضل و کرم والی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔)"۔

خلاصہ

داستان تیاری میں باغ کی

داستان تیاری میں باغ کی میر حسن کی شہرہ آفاق مثنوی سحر البیان سے ماخوذ ہے پیش کا ہوا ہے بادشاہ ان کی جان میں بھی تم کوئی کی نہں رکھا چاہتا کیوں کہ اس نے اپنے بیٹے بینظیر کے لیے یہ باغ تیار کروایا ہے۔ اس باغ کی عمارات وخوبصورتی بے مثل تھی، سونے چاندی کے تاروں سے بنائے گئے پردے، خوش رنگ پھولوں سے مہکتا باغ، درودیوار سے لپٹی خوبصورت بیلیں، غرض ہر طرف خوش رنگ پھول وسبزہ اور چہار سو پھیلی معطر خوشبو میں باغ کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ ایک جانب رات میں خوبصورت و نفیس قندیلیں روشن تھیں تو دوسری جانب اگربتیاں بھی ماحول کو معطر بنا رہی تھیں۔ فرش پر نفیس قالین رنگ بکھیرتا تھا تو باغ کی رونق سنگ مرمر کی نہر میں چاندی سا شفاف پانی بہتا تھا، جس کے گرد سرو کے درخت ترتیب سے لگائے گئے تھے جو خوبصورتی کو اور بڑھا وادے رہے تھے۔ باغ میں چنبیلی، موتیا، رائے بیل، نرگس، یاسمین اپنے خوشنما رنگوں سے بہار بکھیر رہے تھے۔ قمریاں و بلبل کے چہچے باغ کی رونق بڑھا رہے تھے۔

خلاصہ

نظم "چپ کی داد

تعارف شاعر: الطاف حسین حالی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزو بخش تھا- ابھی 9 سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد ہی اُن کی والدہ کا دماغ ماؤف ہو گیا تو حالی کے بڑے بھائی امداد حسین نے پرورش کی۔ ان تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی ۱۹۵۴ء میں دہلی آئے۔ پہلے مرزا غالب اور بعد میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت لاہور آئے اور پنجاب بک ڈپو میں ملازمت اختیار کی۔ یہاں محمد حسین آزاد کے ساتھ مل کر جدید اردو نظم کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصے بعد دہلی ال۔ ۱۹۱۴ء میں پانی پت فوت ہوئے۔

نظم "چپ کی داد، مولانا الطاف حسین حالی کی تحریر کردہ ہے۔ یہ نظم خواتین کے مقام کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ کائنات کے رنگ و رونق اور خوبصورتی کو عورت کے ہر روپ نے مزید نکھار دیا ہے۔ دنیا کے حسن اور سربلندی کا سبب یہ خواتین گھروں کی شہزادیاں اور دکھ سکھ کی غمگسار ساتھی ہیں۔ یہ نیک شرم و حیا کا پیکر عورتیں دین و ایمان کی محافظ ہیں۔ اللہ نے ان کی فطرت میں صبر و ایثار رکھا ہے اور وہ حیا و وفا کی علم بردار بن کر گھروں کو رونق بخشتی ہیں۔ یہ ایک غم خوار کی صورت اولاد کے دکھوں کا مداوا کرنے والی، خاوند سے محبت کرنے والی، بیمار کی معالج، بیروزگار کے لیے سراپا دعا، ناداری کے دنوں میں شکر کی دولت سے مالا مال، گھر کے لیے خیر و برکت اور رحمت کی صورت ہیں، ہر گھر میں ان کی حیثیت اور وجود لازم و ملزوم ہے۔

نظم "چُپ کی داد" میں مولانا الطاف حسین حالی خواتین سے مخاطب ہمیں دے مارا بہنو! اور بیٹیو! اس دنیا کا حسن تمھارے دم قدم سے ہے۔ ملکوں اور شہروں کی آبادی تم سے ہے۔ بلکہ قوموں کی عزت کی وجہ بھی تمھی ہو تم یہ گھروں کی شہزادیاں اور اداس دلوں کی راحت و خوشی ہو۔ اگر تمھارا ساتھ حاصل ہو تو پردیس بھی وطن کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ تمھاری فطرت میں نیکی، شرم و حیا اور صبر و رضا شامل ہے۔ اس خصوصیت کے سبب تم اپنے شوہروں کی ہمدرد ساتھی اور مخوار ہو۔ حقیقت میں زندگی کی مٹھاس تمھارے دم سے ہے تجھی سے گھر میں خیر و برکت قائم ہے۔ اگر تمھارا ساتھ ہو تو زندگی کی پریشانیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ حالی کہتے ہیں کہ خواتین سخت سے سخت حالات میں بھی صابر رہتی ہیں۔ ان کی فطرت میں اللہ نے شرم حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اسی طرح اللہ

Prof.Mukhtar Ahmed

تعالیٰ نے عورتوں میں ہمدردی کا جذبہ زیادہ رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عورتیں گھروں میں والدین کی دیکھ بھال اور ضعیفوں اور بیماروں کی تیمارداری اچھے طریقے سے کرتی ہیں۔ جو لوگ مفلس و نادار ہوتے ہیں یہی عورتیں اُن کا دست و بازو بن کر ان کی ناداری کا احساس ختم کرتی ہیں۔ تنگدستی میں برکت بھی انھیں عورتوں کے سبب ہے۔ انسانی معاشرے میں امن و سکون اور خوشیوں کا دارومدار عورتوں کے دم سے ہے۔

تن بہ تقدیر (خلاصہ)

قرآن ہمیں ایمان کے ساتھ عمل اور جدوجہد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس تعلیم ہی کی بدولت مسلمانوں نے عرصہ دراز تک دنیا کے بڑے حصے پر حکومت کی۔ رفتہ رفتہ مسلمان اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے گئے اور یہ سمجھ لیا کہ قرآن ہمیں ترکِ دنیا کی تعلیم دیتا ہے جب کہ حقیقت میں ہمیں قرآن تسخیر کائنات کا پیغام دیتا ہے۔ آج مسلمانوں کے عمل کا انداز محض تقدیر پر بھروسہ کرنا ہی رہ گیا ہے۔ کبھی وہ زمانہ نہ تھا جب ان مسلمانوں کے ارادوں کی تکمیل میں مشیت ایزدی شامل تھی۔

وہ جس راہ پر گامزن ہوتے تائید خداوندی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ جو باتیں کبھی بری سمجھی جاتی تھیں، اب آہستہ آہستہ انھیں اچھا سمجھا جا رہا ہے۔ جب میں گرفتار ہے تو ان کا ضمیر یکسر بدل گیا۔ اب وہ ان باتوں کو عرصہ دراز تک مسلمان غلامی کی لعنت اچھا سمجھتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بری ہیں۔ ان کا معیار خیر و شر بدل گیا ہے وہ حق و باطل کی تفریق بھول گئے ہیں۔

نظم "سائیڈ افیکٹس" (مرکزی خیال)

جدید طریقہ علاج گو کہ فوری طور پر درد سے راحت دیتا ہے، فوری آرام کے لیے ہم بنا تحقیق اور جانچ کے انھیں فوری استعمال کر لیتے ہیں، تکلیف سے تو نجات مل جاتی ہے مگر مضر صحت اثرات دیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ انور مسعود کی نظم "سائیڈ افیکٹس" بھی اس پس منظر کے تحت لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں انور مسعود نے طنز و مزاح کے ذریعے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کروائی ہے کہ فوری آرام پہنچانے والی ادویات کو سوچ سمجھ کر استعمال کیا جائے تاکہ مضر اثرات سے بچا جا سکے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

مضامین

قومی زندگی میں قومی زبان کی اہمیت (مضمون)

جن ممالک میں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں سے کسی ایک زبان کو قومی رابطے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اسے قومی زبان کہتے ہیں۔ قومی زبان کے ذریعے مختلف علاقوں کے رہنے والے لوگوں کو ایک دوسرے کو قریب آنے میں مدد ملتی ہے اور ان میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ پاکستان میں بھی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں یہ زبانیں زیادہ تر اپنے اپنے علاقوں اور صوبوں کی نمائندگی کرتی ہیں اس لئے ضروری تھا کہ ان میں فکری وحدت ہو اور رابطے کے لیے قومی سطح پر ایک ہی زبان ہو جس میں پاکستان کا ہر شہری اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ چنانچہ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو چاروں صوبوں میں یگانگت اور اتحاد کا مؤثر ذریعہ بن سکتی تھی۔ اس بنا پر اردو کو قومی زبان قرار دیا گیا۔ قومی زبان قوم کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے اور اسے ملک کی دوسری زبانوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ قوم کا مجموعی قومی ثقافتی سرمایہ اسی زبان میں ہوتا ہے۔ اور یہی بین الاقوامی حیثیت بھی حاصل کرتی ہے۔ پاکستان چار صوبوں پر مشتمل۔ اس کی قومی زبان اردو ہے جسے آئینی تحفظ بھی حاصل ہے اور قائد اعظم محمد علی جناح کی تائید بھی۔ ایک طرف اردو زبان مختلف صوبوں کے درمیان رابطے کا کام اور دوسری طرف زبان کے ذریعے قومی اتحاد اور قومی یگانگت کا تصور بھی ابھرتا ہے۔ لیکن قومی زندگی میں حاصل ہوئے بغیر قومی یگانگت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ قوم کے دماغوں سے احساسِ کمتری دور ہو سکتا ہے۔ نہ خود اعتمادی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ملک اور قوم مستحکم ہو سکتے ہیں۔ قومی وحدت اور ایثار کا موثر ترین ذریعہ یہ ہے کہ قومی زبان کی ترویج ہو تا کہ فکر و ذہن کی یکسانیت پیدا ہو سکے اور قائم رہ سکے۔

ایک دوسرے سے محبت کا جذبہ پیدا ہو۔ حقیقت یہ ہے زبان اظہار خیالات کا ہی ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ قوم کی تمام روایات کی بھی حامل ہوتی ہے اور اس کے بولنے والے کے ایک ایک لفظ سے وطن کا گہرا تعلق اور قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر ایک قومی زبان کی ترویج ہو تو اس امر کی امید کی جاسکتی ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے درمیان گہرا تعلق مضبوط اتحاد اور استحکام پیدا ہو جائے گا۔ قومی زبان کی اہمیت وافادیت اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب تحریک پاکستان ابتدائی منزل میں تھی تو اس وقت بعض رہنماؤں نے مذہب، عقیدہ اور زبان ہی کے تعلق سے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو الگ قوم بنایا تھا اور اس اعتبار سے سر سید احمد خان محسن الملک، علامہ اقبال، شیخ عبدالمجید سندھی، حسرت موہانی، مولانا شبلی نعمانی، قائد اعظم اور دوسرے اکابرین نے ہندی کے مقابلے میں اردو زبان کی حمایت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہمارا دوسرا باہمی رشتہ زبان کا ہے۔

اردو کا اسلام سے گہرا واسطہ ہے دنیا کی کسی زبان میں اسلام سے متعلق اتنا سرمایہ موجود نہیں جتنا اردو زبان میں ہے عربی فارسی اور ترکی کے تمام اسلامی مواد کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے، اور ان تمام کتابوں کو جو اردو میں شائع ہوئی ہیں، دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اردو کا پلڑا بھاری رہے گا۔ قومی زبان کی اہمیت و افادیت یہ ہے کہ اردو زبان قومی تشخص کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ اردو زبان میں ہماری اسلامی روایات اور ثقافت کا اتنا سرمایہ ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں وہ امت واحد ہیں اور اسلامی ثقافت نے انہیں مضبوط رشتے میں باندھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کا قیام جغرافیائی حدود پر نہیں ہوا بلکہ اس کی تشکیل اسلام کے نظریہ توحید پر ہوئی۔ یہی نظریہ ہماری قومی اور ملی یکجہتی کا سب سے مضبوط ستون ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں صرف اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہمارے ہر قسم کی تاریخی ورثوں کی امین ہے بلکہ یہی زبان ہماری اجتماعی زندگی اور ماحول کی ترجمان ہے اور اسے ہر پاکستانی آسانی سے بول اور سمجھ سکتا ہے۔ اس میں فنی، سائنسی، تیکنیکی و جمالیاتی خیالات بیان کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ یہی زبان ہماری فکری وحدت کا ذریعہ ہے اسی لیے اردو زبان قومی تشخص کی ہے تشخص کی علامت ہے اور اسے اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اردو ہی ایک ایسا اہم ذریعہ ہے جس سے قومی ثقافت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ قومی ترقی یا قومی زندگی میں قومی زبان کی اہمیت اس قدر ہے کہ ہماری قوم اس کے بغیر ایک قوم نہیں بن سکتی تو بے جا نہ ہو گا۔

Prof. Mukhtar Ahmed

قومی اتفاق کی ضرورت (مضمون)

اتحاد و اتفاق میں بڑی طاقت اور قوت ہے۔ کسی ملک کی بقا کا انحصر قومی یک جہتی اور اتفاق پر ہے۔ کوئی جماعت، کوئی ملک و قوم اقوام عام کی نگہی عزت و آبرو اور و قار احترام کا مقام میں پا سکتی جب تک کہ اس کے افراد میں یک جہتی اور ہم آہنگی نہ ہو. قومی اتحاد کے بغیر ترقی اور خوشحالی کا تصور بھی ایک خام خیالی ہے۔ قومی اجتماعیت اقبال ایک خواب ہے۔ جس طرح موج کی قوت کا زور، جوش، تلاطم اور طنطنہ دریا کے اندر ہے، دریا کے باہر موج کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسی طرح فرد کی اپنی کوئی قوت نہیں ہوتی، فرد تنہا کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن جب وہ ایک ملت میں گم ہو جاتا ہے تو بڑی قوت بن جاتا ہے۔ اقبال نے قومی اتحاد اور ملی زندگی کی اہمیت کو ایک تعمیر اور بالخصوص اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے بہت سی جگہوں پر اجاگر کیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

ملت سے اپنا رابطہ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ملت اسلامیہ کی رہنمائی کے لئے قرآن حکیم کی شکل میں ایک مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ جو اتحاد اور ربط باہمی کا درس دیتا ہے اور ایک واضح مقصد حیات پیش کرتا ہے۔ ایک منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے افراد کو قدم سے قدم ملا کر دوش بدوش گامزن ہونا ضروری ہے اگر وہ متحد و متفق ہو کر آگے بڑھیں تو کوئی بھی مخالف قوت ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ وہ ایک ایسا طوفان بنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس سے دریاوں کے دل بھی دہل جائیں گے اور جس کے متحد عزم وارادہ کے آگے پربت رائی ہو کر رہ جائے۔ مثل مشہور ہے کہ ایک اکیلا اور دو گیارہ، یعنی اگر دو لوگ مل کر ایکا کر لیں تو ان کی طاقت اکیلے فرد سے گیارہ گنا ہو جاتی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اتحاد و اتفاق میں کتنی طاقت پوشیدہ ہے۔ یوں تو یہ ایک چھوٹا سا لفظ ہے مگر اتنا جامع ہے کہ اس میں ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اس کی کئی مثالیں ہمیں اپنے ارد گرد ہی نظر آتی ہیں خود ہی دیکھیے کہ بارش کے ایک ننھے سے قطرے کی کیا اہمیت ہے مگر جب یہ ہی قطرے مل کر سمندر کی شکل اختیار کر لیں تو اس کی طاقت کے آگے کوئی چیز بھی ٹھہر نہیں سکتی۔ اگر ہم قومی اتحاد کی بات کریں تو اس کا مطلب ہے کہ پوری قوم کے افراد ایک ہو جائیں اور زندگی کے کسی شعبے میں ان میں تفریق نہ پائی جائے۔ بنیادی عقائد اور نظریات میں بھی یک جہتی ہو لوگ آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال دیں۔ نااتفاقی اور باہمی عداوت قوموں کو زوال کی طرف لے جاتی ہے، قوم میں اگر اتحاد و اتفاق نہ ہو تو تمام توتیں اور صلاحیتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔

اتحاد و اتفاق کی ضرورت تو ہمیشہ ہی رہتی ہے مگر ہمارا ملک آج کل جس دور سے گزر رہا ہے اُس میں اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ہمارے ملک کو صرف بیرونی نہیں اندرونی خطرات بھی لاحق ہیں۔ بیرونی توتیں فائدہ جب ہی اُٹھاتی ہیں جب ہم اندرونی طور پر خلفشار کا شکار ہوتے ہیں، ایک اللہ، ایک رسول اور ایک دین کو ماننے والے ملک میں ہی کئی فرقے ہیں۔ اور ہر کوئی صرف اپنے آپ کو ہی بہتر اور برتر ثابت کرنے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے۔ ہر طرف افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ہر شخص اس کوشش میں لگا ہے کہ کس طرح دوسرے کے حلق پر پیر رکھ کر آگے بڑھا جا سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہم بحیثیت قوم بے توقیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ دیگر تو میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتیں اور اس کی فکر نہ لوگوں کو ہے اور نہ ہی ہمارے حکمرانوں کو جب ہم اپنے ہی ملک میں لڑنے جھگڑنے میں مصروف ہیں تو کیا ہماری حالت کو دیکھ کر ہمارا تمسخر نہیں اڑایا جاتا ہو گا؟ یہ درست ہے کہ ہر ملک میں کچھ نہ کچھ مسائل ہوتے ہیں کوئی بھی سو فیصد درست نہیں ہوتا مگر اس کو بہترین بنانے والے بھی تو قوم کے افراد ہی ہوتے ہیں۔ کوئی باہر سے آکر اس کو بہتر نہیں بناتا ہمارے اس مملکت خداداد میں نہ تو وسائل کی کمی ہے اور نہ ہی صلاحیتوں کی۔ مگر اتفاق نہ ہونے کے باعث دونوں میں سے کسی چیز سے استفادہ حاصل نہیں کیا جا رہا اس لے یہ کہنا ہی ہو گا کہ پاکستان کی ترقی کا راز صرف اور صرف اتحاد میں ہے۔ اتحاد ہی ہماری طاقت ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام پاکستانی نسلی، لسانی اور علاقائی اختلافات سے بالاتر ہو کر بھائیوں کی طرح آپس میں مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ اسلام کے رشتے کو مضبوط کریں کیونکہ اسی رشتے کی برکت سے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہو سکتا ہے اور ہم اقوام عالم میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جا سکتے ہیں.

Prof.Mukhtar Ahmed

توانائی کے اہم ذرائع (مضمون):

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کا انحصار اس ملک میں موجود وسائل سے ہوتا ہے۔ چاہے وہ وسائل انسانی ہوں یا قدرتی ہوں، معدنی ہوں یا زرعی اور انہی وسائل کی وافر دستیابی معاشی ترقی و استحکام کا سبب بنتی ہے۔ دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ممالک کی نسبت پاکستان توانائی کے ذرائع توانائی کے لحاظ سے بہت خوش قسمت ملک ہے۔ اور توانائی کے ذرائع بھی ان ہی قدرتی وسائل کے ذریعے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مختلف ارضیاتی سروے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان میں توانائی کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں۔ توانائی کے ان اہم ذرائع میں کوئلہ، پیٹرولیم، معدنی تیل، قدرتی گیس، سورج اور پانی قابل ذکر ہیں۔ اور الحمد اللہ اگر پاکستان کے حوالے سے اس کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ پاکستان میں موجود کوئلہ جو کہ تھر (سندھ) میں موجود ہے۔ ۹۰ فیصد پاکستان کے پاس ہے۔ اور ۱۰ فیصد بھارت کے پاس ہے۔ اس کوئلے سے اگر ہم بجلی پیدا کرنا چاہیں تو تقریباً پورے ملک کو مفت بجلی فراہم کی جاسکتی ہے، مگر افسوس ہے کہ حکومت اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کرتی۔ اگر ہم توانائی کا دوسرا ذریعہ یعنی پانی کو دیکھیں تو ایک دفعہ پھر اپنے رب کے شکر گزار ہونگے کہ پاکستان میں پانچ دریا سمندر رہند یاں غرض یہ کہ پانی کے تمام ہی ذرائع موجود ہیں۔ اور پانی توانائی حاصل کرنے ایک اہم اور ستا ذریعہ ہے۔ اگر حکومت پانی سے بجلی بنانا شروع کر دے تو ہمارے ملک میں موجود توانائی کے بحران میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ حکومت اس بارے میں غور و فکر کر رہی ہے اور ڈیم بنانے پر توجہ مرکوز ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ذریعہ سے ہم توانائی کے بحران کو کس طرح اور کب تک ختم کر سکیں گے۔ امید ہے کہ حکومت جو ڈیم بنانے کا ارادہ رکھتی ہے اسکے ذریعے ہم توانائی کے بحران پر قابو پالیں گے اور ہمارا ملک انتصادی اور معاشی لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ)۔

اب اگر ہم بات کریں توانائی کے ایک اور بہت اہم ذریعے پر تو وہ ہے کسی توانائی یعنی سورج سے حاصل کردہ توانائی (حرارت) جو کہ آج کل بہت تیزی سے مقبول ہو رہا ہے۔ اگر اس ذریعے کو دیکھیں تو بھی ہمارا شاخوش قسمت ترین لوگوں میں ہوتا نظر آئے گا کیونکہ احمد لالہ سال کے ۳۶۵ دن سورج بردی آب و تاب سے چمکتا اللہ التصادی اور معاشی لحاظ سے ترقی کی ہے۔ ذرائع (یعنی پانی، سورج، کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے بارے میں سوچے اور اس پر عملدرآمد بھی کرے تو وہ وقت دور نہیں جب تمام ملک ہی بجلی کی سہولت سے مستفید ہو کے گا مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک کے سیاسی اور معاشی حالات اور ناقص منصوبہ بندی کی بدولت ہر چیز کے ہوتے ہوئے بھی بہت پیچھے اور پسماندہ ہیں اور میم عنوں میں توانائی کے ان ذرائع سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہیں۔ آخر میں اللہ سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں ایسے حکمران لائے جو صحیح معنوں میں ہمارے ملک کی ترقی اگر ہم توانائی کے اس اہم ذریعے یعنی سورج سے بلی کا حول یقینی بنائیں تو امید ہے کہ تمام پاکستان ہی بھی کی ہولت سے فیضیاب ہوسکے گا شمسی توانائی کے ساتھ ساتھ بائیو گیس کو بھی ترقی دی جارہی ہے اور ان دونوں طریقوں سے ابھی تک ایک یا دو میگا واٹ تک بجلی پیدا کی جارہی ہے۔ اور اگر حکومت سنجیدگی سے توانائی کے ان اہم وخوشحالی میں اپنا کردار ادا کریں اور ہم اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے قابل ہوسکیں۔ (آمین)

Prof. Mukhtar Ahmed

ماحولیاتی آلودگی اور ہماری ذمے داریاں (مضمون)

انسانی صحت کے لیے کھلی فضا اور صاف ہوا بے حد ضروری ہے لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں انسان کو سانس لینے کے لیے صاف ہوا میسر ہے اور نہ ہی کھلی فضا۔ وہ آلودہ اور زہریلی فضا میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے جسکے سبب طرح طرح کی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے فضائی آلودگی پر قابو پانے کے لیے اسلام نے درخت لگانے اور انکی حفاظت کرنے پر زور دیا ہے کیوں کہ یہ سبزہ ہی ہے جس سے فضائی آلودگی پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس درخت لگائے اور ایسا کرنے کی ترغیب بھی دی اس طرح آپ علیہ السلام نے زمین کو غیر آباد چھوڑنے کی بجائے اُسے کاشت کاری اور زراعت کے زریعے ہرا بھرا رکھنے کی ترغیب بھی دی آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کوئی مسلمان شجر کاری یا کاشت کرتا ہے پھر اُس پر سے کوئی پرندہ انسان یا حیوان کھاتا ہے تو وہ اسکا صدقہ ہے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی درخت کو بلا ضرورت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اُس کا سر جہنم میں ڈالے گا آپ علیہ السلام غزوات اور جنگوں کے دوران اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ کریم کو روانہ کرتے وقت اس بات کی خصوصی وصیت کرتے کہ دورانِ جنگ فصلوں اور باغوں کو تباہ نہ کریں آلودگی کی ایک قسم زمینی آلودگی بھی ہے پوری دنیا بالخصوص پاکستان میں یہ بھی ایک سنگین مسلہ بن چکی ہے اسکی وجوہ میں بڑی وجہ اردگرد کے ماحول کا صاف نہ رکھنا ہے بالفاظِ دیگر جگہ جگہ گندگی پھیلانا اور کوڑا کرکٹ ڈالنا زمین آلودگی کو جنم دیتا ہے اس سے بچاؤ کے اصول گلیوں محلوں اور راستوں کی صفائی شامل ہے اسلام نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا ہے جس میں صرف جسمانی ہی نہیں گھر اور دیگر مقامات کو بھی صاف ستھرا رکھنے کی بھی اہمیت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے صاف ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے کریم ہے اور کو پسند کرتا ہے سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اسلیے تم لوگ اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھا کرو اور اُن یہود کی مشابہت اختیار مت کرو جو اپنے گھروں میں کوڑا کرکٹ جمع کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمیں اپنی ذمے داریوں کا احساس دلاتا ہے کہ جا بجا گندگی اور غلاظت نہ پھیلائیں کیونکہ اس سے اردگرد کا ماحول آلودہ ہوتا ہے آپؐ کا فرمان ہے تین لعنت کی چیزوں یعنی پانی لینے کی جگہ پر، سائے میں جہاں لوگ بیٹھتے ہوں اور راستے میں قضائے حاجت کرنے سے بچو۔ پانی کے بغیر انسانی زندگی کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا ایک طرف تو دنیا میں پانی کے ذخائر سُکڑتے جارہے ہیں دوسری طرف ان زخائر کو آلودگی کا سامنا ہے اور اسکا زمے دار کوئی اور نہیں ہم ہی ہیں۔ ہماری صنعتیں ایک طرف فضا میں مضرِ صحت دھواں چھوڑ کر ہوا کو آلودگی کررہی ہیں تو دوسری طرف زہریلا صنعتی فضلہ کسی روک ٹوک اور حفاظتی تدبیر کے بغیر تلابوں، ندیوں دریاؤں وغیرہ میں ڈال رہی ہیں اس سے نہ صرف آبی حیات متاثر ہو رہی ہے بلکہ یہ آلودہ پانی انسانی جان کے لیے بھی خطرہ ہے اس ضمن میں اسلام کے احکام واضح ہیں جن میں ہر اُس کام کی ممانعت کی گئی ہے جو پانی کو آلودہ کرنے کا سبب ہو۔ پانی کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے رکے یا چلتے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے ماہرین کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال 3.4 ملین افراد گندے پانی کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں سے ہلاک ہوتے ہیں ان بیماریوں میں ٹائفائیڈ،ہیپاٹائٹس، ڈائریا اور ہیضہ ہے ان سکی بڑی وجہ انسانی فضلے کی پینے کے پانی میں ملاوٹ ہے ماہرین کا کہنا ہے کہ ان بیماریوں سے بچاؤ کے لیے سیوریج کا نظام کی بہتری کے ساتھ عوام تک پینے کا صاف پانی پہنچانا ہے آپ، ص نے معاشرے کو ہر قسم کی آلودگی سے بچانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر سرانجام دینے والی کاوشوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور اس خطرناک مسلے سے بچنے کے لیے رہنما اصولوں کی نشاندہی بھی کی ہے اگر ہم ان اصولوں کی پیروی کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سنگین مسائل پر قابو نہ پاسکیں۔

Prof Mukhtar Ahmed

جدید سائنسی ایجادات (مضمون)

نئی سائنسی ایجادات تیزی سے ہمارے ارد گرد کی دنیا کو تقریباً طلسماتی انداز میں تبدیل کر رہی ہیں۔ ان میں عجیب و غریب قسم کے نئے مواد شامل ہیں جن سے اشیا کو ڈھانپ دیا جائے تو وہ نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں، ایسے آلات تیار کر لئے گئے ہیں جو اعصابی نظام کے ذریعے دماغ میں خاکے منتقل کرتے ہیں جس سے نابینا افراد کی جزوی بینائی بحال کی جاسکتی ہے۔ بڑھاپے کے خلاف مرکبات تیار کئے جارہے ہیں جو بڑھاپے کے عمل کو سست کرتے ہیں اور عمر کو بڑھا سکتے ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آج پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط عمر 120 سال سے زیادہ ہو گی۔ ایک اور مواد گرافین تیار کیا گیا ہے جو اسٹیل سے 200 گنا زیادہ مضبوط ہے اور یہ بہت سے کاموں کیلئے کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔ مصنوعی ذہانت بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے جو شہر کے نظامِ نقل و حمل سے منشیات کی دریافت تک، اسٹاک ایکسچینج کی تشخیص سے صحت اور ماحولیاتی مسائل کو اجاگر کرنے تک متعدد شعبوں میں اپنا لوہا منوا رہی ہے، اس کے علاوہ مصنوعی ذہانت اعصابی نیٹ ورک کے شعبے میں خاص پیش رفت کر رہی ہے اور انسانی دماغ پر مبنی دیگر تکنیکی عوامل پر اس کا اطلاق تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

ان میں سے کچھ نئی ایجادات جدید جنگ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ذہین ڈرونز کے جھنڈ جو آپس میں بات چیت کر سکتے ہیں اور انتہائی منظم انداز میں دشمن کے ٹینکوں پر حملہ کر سکتے ہیں، ٹینک اور پیدل سپاہیوں کو آہستہ آہستہ غیر ضروری بناتے جارہے ہیں۔ ترکی ڈرون (بیر اکتار ٹی بی 2) ایک جنگی ڈرون ہے جس کے پروں کی لمبائی 12 میٹر ہے جو چار لیزر بموں اور مغرب سے فراہم کردہ دیگر اسلحے سے لیس ہے، جو ٹینکوں اور دیگر بھاری زمینی ہتھیاروں کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ یوکرین میں چھوٹے سوئچ بلیڈ ڈرون بھی کامیابی سے استعمال ہو رہے ہیں۔ انہیں ایک ٹیوب میں آرام سے لے جایا جاسکتا ہے جہاں سے انہیں براہ راست اُڑایا جاسکتا ہے۔ ایک اور تیزی سے ابھرتا ہوا شعبہ نینو ٹیکنالوجی کا ہے۔ نینو ٹیکنالوجی اس وقت وجود میں آئی جب یہ پتہ چلا کہ مادوں کی خصوصیات میں نمایاں تبدیلیاں اس وقت ہوتی ہیں جب ان کے حجم کو کم کر کے 1 نینو میٹر اور 100 نینو میٹر کے درمیان کر دیا جاتا ہے۔ ایک نینو میٹر ایک ملی میٹر کا اربواں حصہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم سونے کے ذرّات کو انتہائی باریک پیس کر انہیں نینو میٹر جتنا کر دیں تو سونے کا رنگ سبزی مائل نیلا، سرخ یا جامنی رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ ذرات کے حجم پر منحصر ہے۔

نینو ٹیکنالوجی (Nano Technology) کا اطلاق سائنس کے تمام شعبوں میں ہو رہا ہے جن میں بائیو میڈیکل، کیمیا، مکینیکل، برقیات، کمپیوٹر سائنسز اور مادی سائنس شامل ہیں۔ نینو اسکیل سینسرز اور آلات انتہائی کم لاگت میں پلوں، سرنگوں وغیرہ کی ساخت کی حفاظت اور کارکردگی کی مسلسل نگرانی کے کام آتے ہیں۔ انہیں نقل و حمل میں مدد کے لئے بھی استعمال کیا جارہا ہے تاکہ ڈرائیوروں کو سڑک پر اپنی جگہ برقرار رکھنے، تصادم اور رش سے بچنے اور سفری راستوں کو مرتب کرنے میں مدد ملے۔ نینو سینسرز کے استعمال نے زراعت میں پانی، کھاد اور کیڑے مار ادویات کی ضرورت کو بہت کم کر دیا ہے۔ زراعت میں کیڑے مار ادویات کے استعمال کو بہتر بنانے کے لئے خصوصی نینو کیپسول تیار کئے گئے ہیں جن میں کیڑے مار ادویات شامل کی جاتی ہیں۔ یہ کیڑے مار ادویات صرف کیڑوں کے پیٹ میں جا کر خارج ہوتی ہیں، پودے اور انسان ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ نینو ٹیکنالوجی کا استعمال پانی صاف کرنے، ادویات، کاسمیٹکس، برقیات، نئے مواد اور دیگر بہت سے شعبوں میں انتہائی مفید ثابت ہو رہا ہے۔ صرف نینو الیکٹرانکس کے شعبے کی مارکیٹ کا تخمینہ تقریباً 4 کھرب ڈالر ہے اور یہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اسی طرح نینو سیلولوز سے بنے بلٹ پروف کاغذ سے بلٹ پروف جیکٹس تیار کی گئی ہیں، یہ جیکٹس ہلکی، جاذبِ نظر اور بلٹ پروف ہیں۔ تیز رفتار ترقی کا ایک اور دلچسپ شعبہ توانائی کا ہے۔ نئے زیادہ موثر شمسی خلیے تیار کئے جارہے ہیں جو خصوصی رنگ سے تیار کئے گئے ہیں تاکہ جب بھی سورج کی روشنی ان پر پڑے تو وہ بجلی پیدا کر سکیں۔ برقی موٹر گاڑیوں کو چلانے کیلئے نئی زیادہ کارآمد بیٹریوں پر تحقیق اس شعبہ کی اولین ترجیح ہے۔ ایسی ہی دیگر حیرت انگیز ایجادات ہماری دنیا کو تیزی سے تبدیل کر رہی ہیں، اور وہ ممالک، جو ان ایجادات کو صنعت اور کاروبار کے لئے استعمال کر

Prof.Mukhtar Ahmed

رہے ہیں، تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ حیاتیاتی ماڈلز پر مبنی کمپیوٹر سسٹم نئی اور ابھرتی ہوئی ایجادات میں سب سے تیزی سے ترقی کرنے والی ٹیکنالوجی ہے جس میں 2016 اور 2020 کے درمیان 67 صد اضافہ ہوا۔ گوگل، مائیکروسافٹ اور انٹیل اس شعبے میں سرفہرست ہیں۔ مشین لرننگ، کوانٹم کمپیوٹنگ، خود مختار ٹیکنالوجی اور 3 D پرنٹنگ کے شعبوں میں شامل نئے پیٹنٹ میں بھی بڑی تیزی سے اضافہ دیکھا جارہا ہے۔ ان میں سے کچھ شعبوں کا پاکستان میں ہری پور ہزارہ میں پاک آسٹرین جامعہ برائے اطلاقی سائنس و انجینئرنگ کے قیام کے ساتھ شاندار آغاز کیا گیا ہے اور اسی طرح کی ایک جامعہ اب سیالکوٹ میں بھی زیر تعمیر ہے۔ مصنوعی ذہانت کے متعدد مراکز قائم کئے گئے ہیں جن میں NUST، اسلام آباد کے علاوہ NED ، UET لاہور اور دیگر جامعات شامل ہیں۔ چین اور آسٹریا کی اعلیٰ جامعات کے تعاون سے پاک آسٹرین جامعہ، ہری پور میں سینو پاک مرکز برائے مصنوعی ذہانت نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کا پہلا قومی مرکز برائے نینو ٹیکنالوجی جامعہ کراچی میں قائم بین الاقوامی مرکز برائے کیمیائی و حیاتیاتی علوم میں حسین ابراہیم جمال فاؤنڈیشن کے چیئرمین عزیز جمال صاحب کے مالی تعاون سے قائم کیا گیا ہے۔ پاک آسٹرین جامعہ برائے اطلاقی سائنس و انجینئرنگ نئے اور ابھرتے ہوئے شعبوں میں پاکستانی طلبا کی تربیت پر خصوصی توجہ دے گی۔ یہ دو اہم خصوصیات کی حامل دنیا کی پہلی جامعہ ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دو تعلیمی سیکشن ہیں، ایک سیکشن BSc اور MSc میں اعلیٰ سطح کی تکنیکی تربیت فراہم کرتا ہے جبکہ دوسرا پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ سطح کا سیکشن ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعبہ آسٹریا اور چین کی معروف جامعات کی سرپرستی میں قائم کیا گیا ہے۔ یہ غیر ملکی جامعات معیار کی ضمانت، اساتذہ اور تکنیکی ماہرین کی تربیت اور امتحانات کے معیار کو بہتر بنانے میں مدد کریں گی۔ اس جامعہ کی اول ترجیح اعلیٰ ٹیکنالوجی کی مصنوعات کی ترقی پر بھرپور توجہ دینا ہے، اس لئے اس کا مرکز ٹیکنالوجی پارک ہے جہاں صنعتوں کے تعاون سے مختلف تجارتی مصنوعات کی بھرپور پیداوار جاری ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

اصنافِ ادب

حمد

حمد کے معنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ہیں۔ اسطلاح میں حمد وہ نظم ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات + عظمت + قدرت + کا بیان ہوتا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے تعریف کی جاتی ہے۔ حمد میں جذبات کی پاکیزگی اور زبان کی شائستگی کا ہے۔ اس کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔

؎ فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار
یہی وجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار

نعت

نعت وہ صنفِ نظم ہے۔ جو نعت میں ڈھل کر خوب صورت ہو جاتی ہے۔ نعت نظم کا وہ روپ ہے جو میں رسول پاکؐ کی ذات + صفات + اخلاق کا بیان ہوتا ہے۔ نعت در حقیقت ایک مسلمان کی آنحضورؐ کی ذات اقدس سے والہانہ محبت کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ معراج کے موقع پر انبیاء کرام کو حضرت محمدؐ نے اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ اس طرح امام کا رتبہ واضح ہو گیا یہ وہ دلیل ہے ان کا بلند مرتبہ ثابت ہو جاتا ہے۔

؎ ایک بے نام کو اعزاز نسب مل جائے
کاش! مداح پیمبر کا لقب مل جائے

مطلع

مطلع کے معنی طلوع ہونے کی جگہ لیکن شاعری کی اصطلاح میں کسی بھی غزل، قصیدے یا نظم وغیرہ کا پہلا شعر ہوتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ اور اگر دوسرا شعر بھی مطلع کی طرز پر ہو (یعنی اس کے بھی دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں) تو اس کو حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔

؎ نقش فریادی ہے کس کی شوخئی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مقطع

مقطع کے معنی کاٹنے یا اختتام کرنے کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں غزل یا قصیدے کا آخری شعر مقطع ہوتا ہے۔ اس آخری شعر میں شاعر اپنا نام "تخلص" استعمال کرتا ہے۔

؎ ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

تلمیح

تلمیح کے معنیٰ اشارہ کرنے یا نگاہ ڈالنے کے ہیں۔ لیکن شاعری کی اصطلاح میں جب شاعر اپنے اشعار میں قرآن کی آیت + حدیث + مشہور اقوال یا کسی اور فن کی اصطلاح یا کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرے تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔

؎ جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو

Prof. Mukhtar Ahmed

غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ غزل کی لغوی معنی ہے "عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا۔ ہرن کی منہ سے شکاری کی ڈر کی وجہ سے نکلنی والی آوازوں کو بھی غزل کہا جاتا ہے۔ غزل اردو شاعری کی مقبول ترین "صنف" سخن ہے۔ غزل اوزان میں لکھی جاتی ہے اور یہ ہم قافیہ وبحر اور ہم ردیف مصرعوں سے بنے اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے۔ مطلع کے علاوہ غزل کے باقی تمام اشعار کے پہلے مصرع میں قافیہ اور ردیف کی قید نہیں ہوتی ہے، جبکہ مصرع ثانی میں غزل کا ہم آواز قافیہ و ہم ردیف کا استعمال کرنا لازمی ہوتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے، جس کے دونوں مصرعے ہم بحر اور ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں۔ غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے، بشرطیکہ اس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے ورنہ وہ بھی عام شعر ہی کہلاتا ہے۔

نظم

نظم کے معنی ترتیب کے ہیں۔ تسلسل پر مبنی اشعار کے ایسے مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔ جس میں ایک مرکزی خیال ہو۔ نظم شاعری کی ایک ایسی قسم ہے جو کسی ایک عنوان کے تحت کسی ایک موضوع پر لکھی جاتی ہے۔ نظم کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہیئت کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ بحر اور قافیہ سے پابند بھی ہوتی ہے اور ان قیود سے آزاد بھی۔ اس میں مضامین کی وسعت ہوتی ہے۔

رباعی

رباعی عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی چار چار کے ہیں۔ رباعی کی جمع رباعیات ہے۔ شاعرانہ مضمون میں رباعی اس صنف کا نام ہے جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے، پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ لانا ضروری ہے۔
اس میں عام طور پر فلسفیانہ + اخلاقی + اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

قطعہ

شعری اصطلاح میں قطعہ سے مراد وہ صنف شاعری ہے، جس میں ایک مکمل مضمون بیان کیا گیا ہو۔ اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قطعہ نگار ہر قسم کے واقعات، حالات، خیالات اور جذبات واحساسات پر اظہار خیال کر سکتا ہے۔ قطعہ میں جس طرح موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی، اس طرح اس میں بحر کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قطعے کے لیے کم از کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے۔

مرثیہ

مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے دنیا سے چلے جانے پر اپنے جذباتِ غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے بنا ہے جس کے معنی مردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ یعنی مرنے والے کو رونا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا مرثیہ کہلاتا ہے۔ مرثیہ کی صنف عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں آئی۔ لیکن اردو اور فارسی میں مرثیہ کی صنف زیادہ تر اہل بیت یا واقعہ کربلا کے لیے مخصوص ہے۔

مثنوی

مثنوی کا لفظ، عربی کے لفظ "مثنیٰ" سے بنا ہے اور مثنیٰ کے معنی دو کے ہیں۔ اصطلاح میں ہیت کے لحاظ سے ایسی صنفِ سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے، لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔

مسدّس

مسدّس اس نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوں اس کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ آخری دو مصرعے یعنی پانچویں اور چھٹے مصرعے ان سے علاحدہ نئے قافیوں میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مسدّس کو سب سے پہلے مولانا الطاف حسین حالیؔ نے مشہور کیا" مسدّس حالی" کے چرچے آج تک ہیں۔

مضمون(Essay)

لفظ "Essay" لاطینی لفظ "Exagium" سے لیا گیا ہے، جس کے لغوی معنی کسی مسئلہ کو عام لفظوں میں پیش کرنا ہے۔ اس حوالے سے مضمون نویسی کی تعریف کچھ یوں ہو گی "یہ تحریر کا ایک ایسا چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو کسی موضوع، خیالات یا واقعات پر معلومات کے اظہار کے ساتھ ساتھ ایک لکھنے والے کی رائے بھی بیان کرتا ہے۔ مضمون کی دو اقسام بیان بیان کی جاتی ہیں۔(1) باقاعدہ مضمون-(Personal Essay) (2)بے قاعدہ مضمون(Impersonal Essay)۔

افسانہ

افسانہ(Short Story) سے مراد ایسی مختصر کہانی جو ایک نشست میں پڑھی جا سکے۔ اس میں زندگی کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ اردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب سے آیا ہے۔ اردو کے پہلے افسانہ نگار منشی پریم چند ہیں۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہوتے ہیں۔(1) تمہید (2)پلاٹ(3)اختصار(4)اختتام۔

ڈراما

ڈراما یونانی لفظ "ڈراؤ(Drao) سے نکلا ہے۔ جو عمل + اداکاری یا کچھ کر کے دکھانے میں آتا ہے۔ ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت + تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔ ڈراما ایسی کہانی یا قصہ ہے جو اداکاری کے لیے لکھا جائے یا اداکاری کے ذریعے پیش کیا جائے۔ اردو زبان و ادب میں پہلے ڈراما نویس امانت لکھنوی ہیں۔ "اندر سبھا" اردو کا پہلا ڈراما انھوں نے نواب واجد علی شاہ کے کہنے پر لکھا اور اسٹیج پر پیش کیا۔

طنز و مزاح

مَزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔ ایسی تحریر جو آپ کو ہنسنے پر مجبور کر دیں اور اس تحریر میں تنقید کو مَزاح کا جامہ پہنا دیا جائے لیکن اس کے باوجود قاری ہنسنے پر مجبور ہو جائے طنز و مزاح کہلاتی ہیں۔ طنز و مَزاح کی ایک مقبول صنف لطیفہ ہے۔

قافیہ

قافیہ لفظ قفو سے ہے، جس کے معنی پیروی کرنے اور پیچھے آنے والے کے ہیں۔ اردو ادب میں قافیہ ایسے الفاظ کو کہا جاتا ہے جو اشعار میں الفاظ کے ساتھ غیر مسلسل طور پر آخر میں بار بار آتے ہیں۔ اس لیے ترنم اور تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے قافیہ کا استعمال لازم و ملزوم تصور کیا جاتا ہے۔ قوافی کو عرفِ عام میں ہم قافیہ الفاظ کہا جاتا ہے، اس کی ایک خوبصورت مثال ملاحظہ فرمائیں۔

؎ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ردیف

ردیف کے معنی گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والے کے ہیں۔ شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد قافیہ کے بعد آنے والے وہ الفاظ ہیں جو مکرر آتے ہوں۔ اور یکساں بھی ہوں، مگر ردیف پر مصرعے میں آئے، یہ بھی لازم نہیں ہوتا۔ یہ بعض وقت غزل کے مصرعہِ ثانی میں تکرار سے بھی آتا ہے۔ اس کی ایک اور تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ قافیہ کے بعد جو الفاظ مسلسل تکرار سے آئیں، ردیف کہلاتے ہیں۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیں؛

ے نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

حسنِ تکرار

کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں، جن کی تکرار سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے، مثلاً:

ے توبہ کے ٹوٹنے کا بھی کچھ کچھ ملال تھا

تھم تھم کے سوچ سوچ کے شرما کے پی گیا

محولہ بالا شعر میں "کچھ کچھ"، "تھم تھم" اور "سوچ سوچ" کی تکرار سے کلام کا حسن بڑھ گیا ہے۔

تشبیہ

ے کیا ہی چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے

ہے ترے حُسن دل افروز کا زیور سہرا

غالب نے اپنے شعر میں مغل شہزادے "مرزا جواں بخت" کی شادی کے موقع پر اس کے چہرے کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے اسے چاند سے ملایا ہے۔ اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ کوئی ماں اپنے بیٹے کو چاند کا ٹکڑا کہے تو وہ بھی تشبیہ کہلائے گی۔

مشبہ + مشبہ بہ + تشبیہ

ے نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

پنکھڑی کوئی گلاب کسی سی ہے۔

استعارہ

ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔

استعارہ لفظ" **مستعار** "سے بنا ہے۔ جس کے معنی" **ادھار لینا** "ہے۔ اسی لیے استعارے میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ دونوں لفظوں کے مابین کسی خصوصیت کی بنا پر تشبیہ کا تعلق ضرور پایا جاتا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

تضاد

؎ لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے

اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

اس شعر میں الفاظ حیات اور قضا اور آئے اور چلے استعمال ہوئے ہیں یہ لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تضاد کہلاتے ہیں۔ متضاد کے معنی بر عکس یا الٹ کے ہیں۔

مبالغہ

؎ رونے پہ باندھ لے جو مری چشمِ تر کمر

کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی کمر کمر

اس شعر میں اپنی آنکھ کو روتے ہوئے بڑھایا، چڑھایا گیا ہے۔ زمین تو کیا آسمان تک بھی کمر کمر تک پانی بھر جائے گا۔ یعنی آنسوؤں کا سیلاب آئے گا۔ اشعار میں کسی بات کو اپنی اصلی حالت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا "مبالغہ" کہلاتا ہے۔

حسنِ تعلیل

؎ پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی

ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

اس شعر میں دریائے فرات کی لہروں کے ساحل سے بار بار "سر پٹکنے" یا سر مارنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عالی مقام حضرت امام حسینؑ کا لشکر تین رات سے پیاسا تھا۔ دریائے فرات کو اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ میں اس مقدس لشکر کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔ اس غم اور افسوس کی وجہ سے دریائے فرات کی لہریں کنارے پر سر مار رہی تھیں۔ حالانکہ دریا کے پانی کی لہریں ہوا سے اٹھتی ہیں۔ ساحل پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر شاعر نے اس عمل کو افسوس + صدمہ قرار دیا ہے۔ شعر میں کسی بات کی ایسی وجہ بیان کرنا جو اصلی نہ ہو مگر حسنِ بیان کے سبب حقیقی معلوم ہو "صنعتِ تعلیل" کہلاتا ہے۔

واوین۔("۔")

واوین وہ علامت ہے جو کسی تحریر کا اقتباس پیش کرتے وقت یا کسی کا قول پیش کرتے وقت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً۔ "اپنا خیال رکھنا جلد ملاقات ہو گی" فاروق نے کہا۔ کسی کتاب، باب، کہانی مضمون وغیرہ کا نام لکھتے ہوئے یا کسی لفظ کو واضح کرنے کے لیے بھی واوین کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: "کتاب شاہ عبد اللطیف آف بھٹائی" "ڈاکٹر سورلے نے تحریر کی۔" "سر سید احمد خان"۔ یا "ٹیپو سلطان"۔